واقعۂ کربلا
اور
مراسم عزاء
سعید الرحمٰن علوی

واقعۂ کربلا

اور

مراسمِ عزاء

سعید الرحمٰن علویؔ

ضابطہ:

کتاب: ـــ ـــ ـــ ـــ واقعہ کربلا اور مراسم عزا
مؤلف: ـــ ـــ ـــ ـــ سعید الرحمٰن علوی رحمہ اللہ
ضخامت: ـــ ـــ ـــ ـــ ۱۷۶ صفحات
بار اوّل: ـــ ـــ ـــ ـــ اگست ۱۹۹۶ء

انتساب

سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب،

سیدنا عمر و عثمان و طلحہ و زبیر و علی و حسین،

جملہ شہداء و مجاہدین اسلام کے نام،

رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ۔

فہرست

تقدیم

باسمہ تعالیٰ۔ حامداً و مصلیاً

سیدنا حسین و یزید' کربلا و حرہ' حرمت کعبہ' بنو ہاشم و امیہ اور مراسم عزا' تاریخ شیعیت و اسلام کے وہ عنوانات ہیں جن کے حوالہ سے تاریخی و تنقیدی' مذہبی و ثقافتی اور عوامی و جذباتی نقطہ نظر سے متنوع و متصادم روایات و تصانیف' مختلف زمان و مکان میں منظرعام پر آتی رہی ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی زیر نظر کتاب "واقعہ کربلا و مراسم عزا" ہے' جس میں علمی و تحقیقی حوالوں سے افکار و روایات کو صدیوں کے پراپیگنڈہ کی فضا سے متاثر ہوئے بغیر منفرد انداز میں مربوط و منظم شکل دیتے ہوئے بہت سی ایسی معلومات یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو بالعموم خواص و عوام سے پوشیدہ اور ضخیم عربی و فارسی کتب تاریخ و مذہب میں متفرق و منتشر ہیں۔ یہ کوشش کہاں تک قابل تحسین و تنقید ہے' اس کا فیصلہ منصف مزاج اور غیر متعصب مسلم و غیر مسلم قارئین ہی بہتر کر پائیں گے۔ نیز انہی ناقدین کا رد عمل مستند قرار پانے کا مستحق ہو گا جو مندرجات کتاب کے مطالعہ کے بعد عامیانہ طرز عمل اختیار کرنے کے بجائے اختلافی نقاط کا علمی و تحقیقی دلائل سے جواب مرحمت فرمانے کی استعداد سے بہرہ ور ہوں گے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و ھو احکم الحاکمین۔

(سعید الرحمٰن)

۱۔ واقعہ کربلا

واقعہ کربلا کے حوالہ سے خود اہل تشیع مختلف و متنوع روایات کے حامل ہیں جن کی رو سے واقعہ کربلا کے اسباب و واقعات کے بارے میں شیعی نقطہ نظر سے بھی بہت سے حیرت انگیز نقاط سامنے آتے ہیں۔ ان روایات کے مطابق سیدنا حسین نے خلافت یزید کی بیعت کئے بغیر چار ماہ سے زائد (شعبان۔ ذوالحجہ 60ھ) مکہ میں گزارے پھر سیدنا عبداللہ بن عباس ہاشمی قرشی' سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار ہاشمی قرشی' سیدنا محمد بن علی' ابن الحنفیہ ہاشمی قرشی اور دیگر متعدد اکابر قریش و بنی ہاشم کے منع کرنے کے باوجود عازم سفر کوفہ ہوئے۔ دوران سفر شہادت مسلم بن عقیل اور شیعان کوفہ کی بیعت ابن زیاد کی خبر ملی۔ ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی جیسے قدیم و راسخ العقیدہ شیعی مئولف روایت کرتے ہیں کہ سیدنا حسین نے شیعان کوفہ کی غداری کے حوالہ سے فرمایا:۔

"ایھا الناس! انما جمعتکم علی ان العراق فی قبضتی' وجاء نی خبر صحیح ان مسلم بن عقیل وھانی بن عروۃ قتلا' وقدخذلتنا شیعتنا۔ فمن کان منکم یصبر علی ضرب السیوف وطعن الرماح' والا فلینصرف من موضعہ ھذا فلیس علیہ من زمامی شئی"۔

(مقتل ابی مخنف' ص 43' مسیر الحسین الی العراق' مطبعۃ حیدریۃ' نجف اشرف' 1375ھ)۔

ترجمہ:۔ اے لوگو! میں نے تمہیں اس بنیاد پر جمع کیا تھا کہ عراق میرے قبضہ میں ہے' اور اب مجھے صحیح خبر پہنچی ہے کہ مسلم بن عقیل وھانی بن عروہ قتل کردیئے گئے ہیں' ہمارے شیعوں نے ہمیں رسوا کردیا اور بے یارومددگار چھوڑ دیا۔ پس تم میں سے جو کوئی تلواروں کی ضرب اور نیزہ بازی پر صبرواستقامت نہ دکھاسکتا ہو تو وہ اس مقام سے لوٹ جائے میری جانب سے اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

واضح رہے کہ سیدنا معاویہ کی وفات (22 رجب 60 ھ) کے بعد کم و بیش پورے عالم اسلام نے خلافت یزید (رجب 60۔ ربیع الاول 64ھ) کی بیعت کرلی تھی' مگر اکابر قریش و بنی

ہاشم اور صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم میں سے دو ممتاز و نمایاں شخصیات سیدنا حسین و عبداللہ بن زبیر نے مدینہ میں بیعت یزید کرنے کے بجائے مکہ کی راہ اختیار فرمائی۔ انہیں خروج سے منع کرنے والوں میں درج ذیل اکابر امت سر فہرست تھے:۔

1۔ سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق عدوی قرشی (رض) م 74ھ' مکہ۔

ابن سعد کی روایت کے مطابق سیدنا حسین و ابن زبیر ایک ہی رات میں مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کے لئے نکلے تھے۔ اس روایت کے حوالہ سے ابن کثیر نقل کرتے ہیں کہ راستے میں عبداللہ بن عمر بھی عمرہ سے واپس آتے ہوئے انہیں ملے اور ان دونوں صاحبان سے کہنے لگے:۔

"اذکر کما الله الا رجعتما فدخلتما فی صالح مایدخل فیه الناس وتنظرا' فان اجتمع الناس علیه فلم تشذا' وان افترقوا علیه' کان الذی تریدان"۔ (ابن کثیر 'البدایة والنهایة' ج 8' ص 162)۔

ترجمہ:۔ میں اللہ کا واسطہ دے کر تم دونوں سے کہتا ہوں کہ لوٹ چلو تاکہ جو مناسب بات اور لوگ اختیار کریں تم بھی اختیار کرلو۔ پھر دیکھو اگر لوگ پوری طرح ایک بات (خلافت یزید) پر متفق ہوگئے تو تم اختلاف کرنے والوں میں سے نہیں ہوگے اور اگر اختلاف ہوا تو تم دونوں کی مراد پوری ہوجائے گی۔

مگر سیدنا عبداللہ ابن عمر فاروقی قرشی کی اس بات کو نہ سیدنا حسین نے قبول فرمایا اور نہ ہی سیدنا عبداللہ بن زبیر نے تسلیم کیا' چنانچہ دونوں مکہ معظمہ کی طرف سفر کرتے رہے۔

2۔ ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس ھاشمی قرشی (م 68ھ' طائف)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علی کے چچا زاد ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس ھاشمی قرشی کے گھر سیدنا حسین سفر کوفہ سے پہلے مکہ میں مقیم رہے تھے۔ انہوں نے شیعان کوفہ کے بھروسے پر خروج سے منع کرتے ہوئے سیدنا حسین سے یہاں تک فرمادیا:۔

"والله انی لاظنک ستقتل غدا- بین نسائک وبناتک کما قتل عثمان بین نسائه و بناته"۔

(ابن کثیر 'البدایة والنهایة' ج 8' ص 164)۔

ترجمہ:۔ بخدا میرا گمان ہے کہ کل کو آپ بھی اپنی عورتوں اور بیٹیوں کے درمیان اسی

طرح قتل کردیئے جائیں گے جس طرح عثمان کو ان کی عورتوں اور بیٹیوں کی موجودگی میں قتل کردیا گیا تھا۔

3۔ سیدنا سعد بن مالک' ابو سعید خدری (رض) م 74ھ' مدینہ

جلیل القدر صحابی رسول (ص) راوی احادیث (تعداد روایات حدیث 1170)۔ سیدنا سعد بن مالک' ابو سعید خدری نے سیدنا حسین کو شیعان کوفہ کے بھروسے پر خروج سے منع کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اتق الله فی نفسک والزم بیتک 'ولا تخرج علی امامک "۔

(ابن کثیر 'البدایة والنهایة' ج 8' ص 163)۔

ترجمہ :۔ اپنے دل میں اللہ سے ڈرو' اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام کے خلاف خروج نہ کرو۔

4۔ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری (رض) م 78ھ' مدینہ۔

جلیل القدر صحابی رسول (ص) و راوی احادیث (تعداد روایات 154)۔ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری شیعان کوفہ کے بھروسہ پر خروج سے منع کرتے ہوئے سیدنا حسین سے فرماتے ہیں:۔

"کلمت حسینا- فقلت له:۔ اتق الله ولا تضرب الناس بعضهم ببعض"۔

(ابن کثیر 'البدایة' والنهایة' ج 8' ص 163)۔

ترجمہ :۔ میں نے حسین سے بات کی اور ان سے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور لوگوں کو آپس میں نہ لڑاؤ۔

5۔ شوہر سیدہ زینب سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار ھاشمی قرشی (م 85ھ' مدینہ)

سیدنا حسن و حسین کے چچا زاد اور بہنوئی' صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار ھاشمی قرشی (رض) نے سیدنا حسین کے مکہ سے نکل کر سفر کوفہ اختیار کرنے کی اطلاع ملنے پر والی حرمین' عمرو بن سعید سے مذاکرات کرکے اپنے دو بیٹوں عون و محمد کو انہیں منع کرنے کے لئے بھیجا۔

"فارسل عبدالله بن جعفر ابنیه عونا- و محمدا- لیردا الحسین' فابی ان یرجع و خرج بابنی عبدالله بن جعفر معه"۔

(ابن قتیبہ' الامامۃ والسیاسۃ' ج 2' ص 2)۔

ترجمہ:۔ پس عبداللہ بن جعفر نے اپنے دو بیٹوں عون و محمد کو روانہ کیا تاکہ وہ حسین کو واپس (مدینہ) لے آئیں' مگر انہوں نے انکار کردیا اور عبداللہ بن جعفر کے دونوں بیٹوں کو بھی خروج میں ساتھ لے لیا۔

6۔ برادر حسنین سیدنا محمد بن علی' ابن الحنفیہ ہاشمی قرشی (م 81ھ' مدینہ)

پیکر علم و شجاعت برادر حسنین' سیدنا محمد بن علی بن ابی طالب جو اپنی والدہ سیدہ حنفیہ (خولہ بنت جعفر) کی نسبت سے ابن الحنفیہ کے نام سے معروف ہیں' مدینہ ہی میں مقیم تھے۔ انہوں نے مدینہ سے مکہ آکر سیدنا حسین کو کوفیوں کے اصرار پر خروج سے منع فرمایا:۔

"فادرک حسینا- بمکۃ فاعلمہ ان الخروج لیس برای یومہ ھذا۔ فابی الحسین ان یقبل' فحبس محمد بن الحنفیۃ ولدہ فلم یبعث احدا- منھم' حتی وجد الحسین فی نفسہ علی محمد' وقال: ترغب بولدک عن موضع اصاب فیہ' فقال و ما حاجتی الی ان تصاب ویصابون معک ' وان کانت مصیبتک اعظم عندنا منھم"۔

(ابن کثیر' البدایۃ والنھایۃ' ج 8' ص 165)

ترجمہ:۔ پس ابن الحنفیہ مکہ میں حسین کے پاس پہنچ گئے اور انہیں بتایا کہ ان کی رائے میں اس وقت (اہل کوفہ کے بھروسے پر) خروج کا خیال بالکل مناسب نہیں ہے۔ حسین نے یہ رائے قبول نہ فرمائی' پس محمد بن حنفیہ نے اپنی اولاد کو روک دیا اور ان میں سے کسی کو بھی ان کے ساتھ نہ بھیجا' جس پر حسین کو دل میں محمد (ابن الحنفیہ) پر رنج ہوا اور فرمانے لگے:۔ تم اپنی اولاد کو میری جان سے زیادہ عزیز رکھ رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اور آپ کے ساتھ وہ بھی کیوں مصیبت میں پڑیں۔ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کی مصیبت میرے لئے ان کی مصیبت سے زیادہ باعث رنج ہے۔

علامہ سید محمود احمد عباسی شیعان کوفہ کی مکہ میں سیدنا حسین کے پاس آمدورفت اور باغیانہ سرگرمیوں کے باوجود حکومت کی جانب سے کسی کاروائی یا تصادم سے حتی الامکان اجتناب کی کوشش کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

"جملہ مؤرخین متفق البیان ہیں کہ حضرتؓ حسین (رض) پورے چار مہینے اور چند دن

مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہے۔ یعنی ماہ شعبان و رمضان و شوال و ذیقعدہ نیز ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی ایام' اور اس تمام عرصے میں کوفیوں کے صدہا خطوط' بیسیوں وفود اور سینکڑوں اشخاص عراق سے ان کے پاس آتے جاتے اور بیعت اطاعت کا حلف اٹھاتے رہے۔ ساٹھ کوفی معیت میں چلنے کے انتظار میں ٹھہرے رہے جو بعد میں ان کے قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان تمام حالات سے حکومت باخبر تھی۔ بایں ہمہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی' نہ عراقیوں کو ان کے پاس آنے جانے سے روکا گیا۔ نہ خط و کتابت پر کوئی سنسر بٹھایا گیا' اور نہ کوئی اور پابندی عائد کی گئی۔

ثالثاً۔ حکومت چاہتی تو ان چار ماہ کے دوران جب مکہ معظمہ میں کسی مذہبی تقریب کا کوئی خاص اژدھام نہ ہوا تھا' شہر کی محدود آبادی اپنے معمول پر تھی' عامل مکہ کو حکم بھیج کر باآسانی ان کے خلاف کارروائی کی جاسکتی تھی' مگر حکومت کے کسی تشدد کا کوئی ثبوت اوراق تاریخ میں نہیں پایا جاتا"۔

(علامہ سید محمد احمد عباسی' خلافت معاویہ و یزید کراچی' جون 1962ء' ص 154-155)۔

عالمی شہرت یافتہ شیعہ عالم ڈاکٹر موسیٰ موسوی فاضل نجف اشرف' خروج حسین کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"پھر امام حسین کا دور آتا ہے جو یزید بن معاویہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ان لوگوں کی نصیحت بھی نہیں سنی جنہوں نے انہیں مدینہ میں رہنے کا مشورہ دیا تھا اور عراق کی طرف جانے سے منع کیا تھا"۔

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی' الشیعۃ والتصحیح' اردو ترجمہ از ابو مسعود آل امام بعنوان' اصلاح شیعہ' ص 99' مطبوعہ پاکستان' 1990ء)۔

ڈاکٹر موسوی یہ بھی فرماتے ہیں:-

"جب امام حسین' یزید بن معاویہ کی خلافت کا تخت الٹنے کے لئے اٹھے اور اپنے بیٹوں اور ساتھیوں سمیت کربلا میں شہید ہوگئے تو انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ آسمانی خلافت کا دفاع کر رہے ہیں جسے یزید نے چھین لیا ہے' بلکہ وہ صرف یہ کہتے تھے کہ وہ یزید کی نسبت زیادہ حق رکھتے ہیں"۔ (ڈاکٹر موسیٰ موسوی' اصلاح شیعہ' ص 85)

چنانچہ اکابر قریش و بنی ہاشم' صحابہ و اہل بیت کی غالب اکثریت کی رائے کے برعکس

سیدنا حسین نے شیعان کوفہ و عراق کے پیہم اصرار پر خروج و طلب خلافت کا فیصلہ فرمایا مگر احتیاطاً سیدنا علی و حسن سے بار بار غداری و بے وفائی کرنے والے اہل کوفہ و عراق کے قول و فعل کی تصدیق کے لئے اپنے چچا زاد جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔ جب ہزاروں اہل کوفہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو انہوں نے سیدنا حسین کو کوفہ تشریف لانے کا پیغام دے دیا۔ بعد ازاں ابن زیاد امیر کوفہ مقرر ہوا اور مسلم بن عقیل کو شہید کر دیا گیا' مگر سیدنا حسین کو اس تغیر احوال کی خبر بروقت نہ مل سکی۔ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں کہ ان کے نزدیک یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی کوئی عملی حیثیت نہیں جب تک عملاً" خلافت یزید کے پاس آکر اس کی بیعت کی تکمیل نہ ہوئی تھی۔ سیدنا حسین نے یزید کے مقابلہ میں طلب امامت و خلافت کا فیصلہ اس وقت کیا جب ابھی مکہ و مدینہ میں بھی تکمیل بیعت نہیں ہوئی تھی۔ اور اہل عراق بھی مخالف تھے۔ مگر جب اہل عراق بھی دھوکہ دیتے ہوئے بیعت یزید و ابن زیاد کر گئے تو آپ نے طلب خلافت و خروج کے اقدام کو واپس لے لیا:۔

"لیکن جب وہ کوفہ پہنچے تو یکایک نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے' تمام اہل کوفہ ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کے لئے بیعت کر چکے ہیں۔ اور سرزمین عراق کی وہ بے وفائی و غداری جو حضرت امیر کے عہد میں بارہا ظاہر ہو چکی تھی' بدستور کام کر رہی ہے۔ یہ حال دیکھ کر وہ معاملہ خلافت سے دستبردار ہو گئے' اور فیصلہ کیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں' لیکن ابن سعد کی فوج نے ظالمانہ محاصرہ کر لیا اور مع اہل و عیال کے قید کرنا چاہا۔ وہ اس پر بھی آمادہ ہو گئے تھے کہ مدینہ کی جگہ دمشق چلے جائیں اور براہ راست یزید سے اپنے معاملہ کا فیصلہ کر لیں' مگر ظالموں نے یہ بھی منظور نہ کیا"۔

(مولانا ابوالکلام آزاد' مسئلہ خلافت' ص 138-139' داتا پبلشرز لاہور' 1978ء)۔

اپنے تفصیلی کلام کے آخر میں مولانا آزاد فرماتے ہیں:۔

"جس کو مفصل اور محققانہ بحث دیکھنی ہو وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی "منہاج السنہ" جلد دوم کا مطالعہ کرے"۔ (مسئلہ خلافت' ص 140)۔

عبقری اسلام مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب مسئلہ خلافت کے آخر میں "نتائج بحث" کے زیر عنوان فرماتے ہیں:۔

1۔ اسلام کا قانون شرعی یہ ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کا خلیفہ و امام ہونا چاہئے

خلیفہ سے مقصود ایسا خود مختار مسلمان بادشاہ اور صاحب حکومت و مملکت ہے، جو مسلمانوں اور ان کی آبادیوں کی حفاظت اور شریعت کے اجراء و نفاذ کی پوری قدرت رکھتا ہو۔ اور دشمنوں کے مقابلے کے لئے پوری طرح طاقتور ہو۔

2۔ اس کی اطاعت و اعانت ہر مسلمان پر فرض ہے' اور مثل اطاعت خدا و رسول کے ہے۔ تاوقتیکہ اس سے کفر بواح (صریح) ظاہر نہ ہو' جو مسلمان اس کی اطاعت سے باہر ہوگیا' جس مسلمان نے اس کے مقابلے میں لڑائی یا لڑنے والوں کی مدد کی' اس نے اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں تلوار کھینچی۔ وہ اسلام سے باہر ہوگیا' اگرچہ نماز پڑھتا ہو' روزہ رکھتا ہو اور اپنے تئیں مسلم سمجھتا ہو۔

3۔ ایک خلیفہ کی خلافت اگر جم چکی ہے اور پھر کوئی مسلمان اس کی اطاعت سے باہر ہوا اور اپنی حکومت کا دعویٰ کیا تو وہ باغی ہے اس کو قتل کردینا چاہئے.... (مسئلہ خلافت' ص 283-284)۔

مولانا آزاد نے اپنی معروف تصنیف مسئلہ خلافت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ سیدنا حسین کا یزید کے خلاف اقدام خروج و طلب خلافت' حجاز و عراق میں تکمیل بیعت یزید سے پہلے تھا مگر جب اہل حجاز کے بعد اہل عراق بھی بیعت خلافت یزید کرگئے تو آپ نے اقدام خروج واپس لیتے ہوئے یزید سے مصالحت کی پیشکش کردی تھی' لہٰذا آپ حکومت کے باغی قرار نہیں دیئے جاسکتے۔

عالمی شہرت یافتہ اثنا عشری مجتہد اعظم آیت اللہ العظمیٰ سید شریف مرتضیٰ علم الھدیٰ (م 436ھ) لکھتے ہیں:۔

"اما مخالفة ظنه لظن جميع من اشار عليه من النصحاء كابن عباس وغيره فالظنون قد تغلب بحسب الامارات۔ وقد تقوى عند واحد و تضعف عند آخر۔

ولعل ابن عباس لم يقف على ما كوتب به عليه السلام من الكوفة وما تردد فى ذلك من المكاتبات والمراسلات والعهود والمواثيق۔ وهذه الامور تختلف احوال الناس فيها ولا يمكن الاشارة الى جملها دون تفصيلها"۔

(علی نقی النقوی' السبطان فی موقفیهما' اظهار سنز' لاہور' ص 105 بحوالہ تنزیہ الانبیاء للشریف مرتضیٰ' ص 179-182 وتلخیص الشافی لابی جعفر الطوسی 182/4-188)-

ترجمہ :- جہاں تک ان (حسین) کی رائے ابن عباس نیز (کوفہ نہ جانے کا) مشورہ دینے والے دیگر خیر خواہوں کی رائے کے برخلاف ہونے کا تعلق ہے تو ظن و گمان کا غلبہ علامات کے مطابق ہی ہوا کرتا ہے جو کسی کے نزدیک قوی اور کسی کے نزدیک ضعیف ہوتی ہیں-

اور غالباً ابن عباس (جیسے حضرات) کی نظر سے وہ تمام تحریریں نہیں گزریں ہوں گی جو آپ (حسین) علیہ السلام کو کوفہ سے لکھی گئیں' نیز جو خط و کتابت اور پیغام رسانی ہوئی اور عہد و پیمان باندھے گئے- اور یہ وہ امور ہیں جن میں لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں جن کی طرف تفصیل میں جائے بغیر اجمالی اشارہ ممکن نہیں-

اس سوال کے جواب میں کہ سیدنا حسین نے جانتے بوجھتے ناموافق حالات میں خود کو ہلاکت میں کیوں ڈالا؟ شریف مرتضیٰ فرماتے ہیں:-

"وقدهم ابو عبدالله علیه السلام لما عرف مقتل مسلم واشیر علیه بالعود' فوثب الیه بنو عقیل فقالوا والله لاننصرف حتی ندرک ثارنا او نذوق ماذاق اخونا' فقال علیه السلام: لاخیر فی العیش بعدھٰؤلاء-

ثم لحق الحربن یزید ومن معه من الرجال الذین القنهم ابن زیاد و منعه من الانصراف' وسامه ان یقدم علی ابن زیاد نازلاً علی حکمه فامتنع-

ولما رای ان لا سبیل الی العود ولا الی دخول الکوفة سلک طریق الشام سائراً نحو یزید بن معاویة لعلمه علیه السلام انه علی مابه اراف من ابن زیاد واصحابه- فسار حتی قدم علیه ابن سعد فی العسکر العظیم وکان من امره ماقد ذکر وسطر-

فکیف یقال انه القی بیده الی التهلکة وقد روی انه علیه السلام قال لعمر بن سعد:-

اختاروا منی- اما الرجوع الی المکان الذی اتیت منه' او اضع یدی فی

يد يزيد فهو ابن عمی يری فی رایه' واما ان تسيرونی الی ثغر من ثغور المسلمين' فاكون رجلا' من اهله' لی مالهم وعلی ماعليهم۔

وان عمر كتب الی عبيدالله بن زياد بماسئال فابی عليه وكاتب بالناجزة"۔

(علی نقی النقوی' السبطان فی موقفيهما' ص 103-104 بحواله' تنزيه الانبياء' ص 179-182 و تلخيص الشافی' ج 3' ص 182-188 باختلاف يسير)۔

ترجمہ :۔ اور ابو عبداللہ (حسین) علیہ السلام کو جب مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی تو مشورہ کے مطابق انہوں نے واپسی کا ارادہ فرمایا مگر بنو عقیل اچھل کر سامنے آگئے اور کہنے لگے۔ بخدا ہم واپس نہیں جائیں گے یہاں تک کہ اپنا انتقام لے لیں یا (موت کا) جو ذائقہ ہمارے بھائی (مسلم بن عقیل) نے چکھا ہے ہم بھی چکھ لیں۔ اس پر آپ (حسین) علیہ السلام نے فرمایا:۔ ان لوگوں کے بغیر تو زندگی کا کوئی فائدہ نہیں۔

پھر حر بن یزید اور اس کے ساتھی لشکری آپہنچے جنہیں ابن زیاد نے مقرر کیا تھا' اور حسین کو واپسی سے روک دیا اور ابن زیاد کا فیصلہ قبول کرنے کے لئے اس کے پاس چلنے کو کہا مگر حسین نے یہ بات نہ مانی۔

پس جب انہوں نے دیکھا کہ نہ واپسی کی کوئی راہ ہے اور نہ کوفہ میں داخل ہونے کی کوئی صورت ہے تو یزید بن معاویہ کے پاس جانے کے لئے شام کا راستہ اختیار کیا' کیونکہ انہیں علم تھا کہ وہ ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے مقابلے میں ان کے ساتھ نرمی و مہربانی سے پیش آئے گا۔ پس وہ سفر کرتے رہے یہاں تک کہ ابن سعد ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ان کے پاس آن پہنچا اور اس کا معاملہ وہی ہوا جو پہلے ذکر و تحریر میں آچکا ہے۔

پس یہ بات کیونکر کہی جا سکتی ہے کہ ان (حسین) نے اپنے آپ کو جانتے بوجھتے ہلاکت میں ڈالا جبکہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے عمر بن سعد سے فرمایا:۔

میری کوئی ایک بات مان لو۔ یا تو میں جس جگہ سے آیا ہوں وہاں لوٹ جاؤں یا میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں رکھ دیتا ہوں' پس وہ میرا چچا زاد ہے' میرے بارے میں جو رائے مناسب سمجھے گا اختیار کرلے گا۔ یا مجھے مسلمانوں کے سرحدی علاقوں میں سے کسی سرحد کی طرف جانے دو تاکہ میں ان میں سے ایک شخص بن جاؤں میرا بھی وہی حق ہو جو ان

کا ہے اور میری بھی وہی ذمہ داری ہو جوان کی ہے۔

روایت کیا گیا ہے کہ عمر (ابن سعد) نے آپ کی پیش کش ابن زیاد کو لکھ بھیجی مگر وہ نہ مانا اور لڑائی کا حکم لکھ بھیجا۔

سیدنا حسین کا یزید کو اپنا چچا زاد کہنا فرزندان قریش سیدنا علی و معاویہ کی باہم رشتہ داریوں کے حوالہ سے تھا۔ نیز یزید ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان زوجہ رسول (ص) کا بھتیجا تھا۔ اور عمر بن سعد نبی صلی اللہ وسلم کے ماموں (سیدہ آمنہ کے چچا زاد بھائی) سیدنا سعد بن ابی وقاص یکے از اصحاب عشرہ مبشرہ کے فرزند تھے۔

سیدنا حسین کے سیدنا معاویہ سے صلح کر لینے اور سیدنا حسین کے پہلے خروج اور آخر میں صلح کی پیشکش کرنے کی بظاہر مختلف و متضاد صورتوں میں مطابقت دکھاتے ہوئے شریف مرتضی علم الھدی لکھتے ہیں:۔

"واما الجمع بين فعله و فعل اخيه الحسن فواضح' لان اخاه عليه السلام سلم كفا للفتنة وخوفا" على نفسه واهله وشيعته' واحساسا" بالغدر من اصحابه۔

والحسين لما قوى فى ظنه النصرة ممن كاتبوه ووثق له فراى من اسباب قوة نصارالحق وضعف نصار الباطل ماوجب معه عليه الطلب والخروج۔ فلما انعكس ذلك وظهرت امارات الغدر فيه وسوء الاتفاق' رام الصلح والمكافة والتسليم' كمافعل اخوه عليه السلام فمنع من ذلك ' وحيل بينه وبينه۔ فالحالان متفقان الا ان التسليم والمكافة عند ظهور اسباب الخوف لم يقبل منه عليه السلام' ولم يجب الى الموادعة وطلب نفسه فمنع منها بجهد حتى مضى الى جنة الله ورضوانه"۔

(على نقى النقوى' السبطان فى موقفيهما' ص 106-107 بحواله تنزيه الانبياء' ص 179-182 وتلخيص الشافى' ج 4' ص 182-188 ببعد)۔

ترجمہ:۔ اور ان (حسین) کے اور ان کے بھائی حسن کے طرز عمل کے درمیان مطابقت واضح ہے۔ کیونکہ ان کے بھائی (حسن) علیہ السلام نے فتنہ کی روک تھام' اپنی ذات و اھل خانہ و طرف داران کے بارے میں خوف اور اپنے ساتھیوں کی جانب سے غداری کے

احساس کی وجہ سے (حضرت معاویہ سے) صلح فرمائی۔

اور حسین کے خیال میں جب خطوط لکھنے والوں اور عہد و پیمان باندھنے والوں کی جانب سے تائید و نصرت کا قوی امکان نظر آیا تو انہوں نے انصار حق کی قوت اور مددگاران باطل کی کمزوری کے ایسے اسباب دیکھے جن کے ہوتے ہوئے طلب (خلافت) و خروج لازم ٹھہرا' مگر جب معاملہ برعکس ہوگیا اور بدقسمتی و غداری کی علامات ظاہر ہوگئیں تو انہوں نے صلح و مفاہمت و تسلیم کا ارادہ فرمایا' جیسا کہ ان کے بھائی (حسن) علیہ السلام کا طرز عمل تھا۔ مگر انہیں اس سے روک دیا گیا اور ان کے اور (یزید سے) صلح کے درمیان رکاوٹ پیدا کردی گئی۔

پس دونوں حالتیں ایک جیسی ہیں مگر فرق یہ ہے کہ صلح و سپردگی کو اسباب خوف ظاہر ہونے پر ان (حسین) سے قبول نہیں کیا گیا اور انہیں صلح و امن و مفاہمت اور اپنی پیشکش پر عمل کا موقع نہیں دیا گیا بلکہ سختی سے روک دیا گیا' یہاں تک کہ وہ (شہادت پاکر) اللہ کی جنت و رضوان تک پہنچ گئے۔

تاریخ الطبری میں امام باقر کی واقعہ کربلا کے حوالہ سے بیان کردہ روایت میں بھی یزید کے پاس جانے کی پیشکش کا ذکر ہے:۔

"فلما اتاہ' قال لہ الحسین:۔ اختر واحدۃ۔ اما ان تدعونی فاصرف من حیث جئت۔ اما ان تدعونی فاذھب الی یزید' واما ان تدعونی فالحق بالثغور"۔ (تاریخ الطبری' ج' 6' ص 220)۔

ترجمہ:۔ پس جب وہ (ابن سعد) آئے تو حسین نے ان سے فرمایا: کوئی ایک بات اختیار کرلو۔ یا تو مجھے چھوڑ دو تاکہ جہاں سے آیا ہوں وہاں لوٹ جاؤں یا مجھے آزاد چھوڑ دو تاکہ میں یزید کے پاس چلا جاؤں' یا مجھے چھوڑ دو تاکہ میں سرحدی علاقوں کی طرف چلا جاؤں۔

ابن سعد نے آپ کی اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے ابن زیاد کو اطلاع دی تو اس نے شمر بن ذی الجوشن کے مشورہ کے مطابق پہلے دست در دست ابن زیاد کی شرط رکھ دی۔

(**لا ولا کرامۃ حتی یضع یدہ فی یدی**۔ نہیں عزت و اکرام تب ہوگا جب وہ پہلے میرے ہاتھ میں ہاتھ رکھیں)۔

یہ سن کر سیدنا حسین نے ابن سعد سے فرمایا:۔

"فقال له الحسين، لا واللہ لایکون ھذا ابدا۔ (طبری، 220/6)۔

پس حسین نے ان (ابن سعد) سے فرمایا:۔ بخدا یہ تو کبھی نہ ہو پائے گا۔

طبری و ابو مخنف وغیرہ نے میدان کربلا میں سیدنا حسین کے رفیق زھیر بن قین کی تقریر کے وہ الفاظ نقل کئے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ:۔ اے اللہ کے بندو! فاطمہ رضوان اللہ علیہا کی اولاد بہ نسبت ابن سمیہ (ابن زیاد) کے تمہاری محبت و نصرت کی زیادہ مستحق ہے، لیکن اگر تم ان کی مدد نہیں کرتے تو ان کے قتل کے درپے ہونے سے باز آجاؤ اور ان کا راستہ چھوڑ دو۔

"فخلوا بین ھذا الرجل وبین ابن عمه یزید بن معاویة فلعمری ان یزید یرضی من طاعتکم بدون قتل الحسین۔ (طبری، 243/6)۔

ترجمہ:۔ پس اس شخص (حسین) اور ان کے چچازاد یزید بن معاویہ کے درمیان سے ہٹ جاؤ اور انہیں وہاں (یزید کے پاس) جانے دو۔ مجھے اپنی جان کی قسم یزید قتل حسین کے بغیر ہی تمہاری اطاعت سے راضی ہے۔

تاریخ الطبری، الکامل لابن الاثیر (ج 4، ص 24) اور ابن کثیر کی البدایہ والنھایہ (ج 8، ص 170 وغیرہ) جیسے قدیم و بنیادی مصادر تاریخ میں مذکور یزید سے مصالحت سمیت تین نقاطی حسینی پیشکش متعدد شیعہ کتب میں بھی صراحتاً مذکور ہے۔ اس حوالہ سے علامہ محمد الفاروقی النعمانی لکھتے ہیں:۔

"شیعہ علماء اور مجتہدین نے بھی صاف لکھا ہے کہ حضرت حسین (رض) نے جناب عمر بن سعد سے ملاقات کے وقت تین شرطیں پیش کی تھیں، اور تیسری میں آپ نے عمر بن سعد سے فرمایا کہ:۔

او تسیر نی الی یزید فاضع یدی فی یدہ فیحکم بما یرید۔

یا پھر آپ مجھے یزید کے پاس جانے دیں تاکہ میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رکھ دوں، پھر وہ جس طرح چاہیں فیصلہ کر دیں"۔

(محمد النعمانی الفاروقی، مکہ سے کربلا تک حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، مرکز تحقیق حزب الاسلام لاہور، ربیع الثانی 1413ھ، ص 33)۔

اس سلسلہ میں علامہ فاروقی نے درج ذیل کتب شیعہ کے نام درج کئے ہیں:۔

1۔ شیخ مفید (م 413ھ) کتاب الارشاد، ص 210، مطبوعہ 1364ھ۔

2۔ سید شریف مرتضیٰ (م 436ھ) تنزیہ الانبیاء، ص 177، مطبوعہ 1350ھ۔

3۔ ابو جعفر طوسی (م 460ھ) تلخیص الشافی، ص 471، مطبوعہ 1301ھ)۔

4۔ شیخ محمد فتال نیشاپوری (م 508ھ) روضۃ الواعظین، ج 1، ص 82، مطبوعہ 1385ھ۔

5۔ فضل بن حسن الطبرسی (م 548ھ) اعلام الوری باعلام الھدیٰ، ص 233، مطبوعہ 1338ھ۔

6۔ ملا باقر مجلسی (م 1111ھ) بحار الانوار، ج 10، ص 446، مطبوعہ 1355ھ۔

(محمد النعمانی الفاروقی، مکہ سے کربلا تک، ص 33)۔

اس حوالہ سے عالمی شہرت یافتہ اثنا عشری مؤرخ جسٹس سید امیر علی فرماتے ہیں:۔

"حضرت حسین نے فوج یزیدی کے سردار کے سامنے تین باعزت شرائط پیش کیں۔ پہلی یہ کہ انہیں مدینے واپس جانے دیا جائے۔ دوسری یہ کہ ترکوں کے خلاف لڑنے کے لئے سرحد کی کسی چوکی پر بھیج دیا جائے۔ تیسری یہ کہ انہیں صحیح سالم یزید کے سامنے پیش کیا جائے"۔

(سید امیر علی، سپرٹ آف اسلام، اردو ترجمہ از محمد ھادی حسین بعنوان "روح اسلام" ص 458، اسلامک بک سنٹر دہلی)۔

مذکورہ شرائط میں شامل یزید سے مصالحت کی پیشکش کو درست قرار دیتے ہوئے سید امیر علی فرماتے ہیں:۔

"صاحب روضۃ الصفا یہ شرائط بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ خدام حسین میں سے ایک شخص نے جو مقتل کربلا سے اتفاقاً بچ نکلا، اس دعوے کو غلط بتایا کہ امام حسین (رض) نے اموی سردار کے سامنے کسی قسم کی شرائط صلح پیش کرکے اپنے آپ کو دشمن کے سامنے ذلیل نہیں کیا، لیکن میرے نزدیک صلح کی تجویز سے حضرت حسین کی سیرت عالیہ کی کسی طرح کسر شان نہیں ہوتی"۔

(جسٹس سید امیر علی، روح اسلام، اردو ترجمہ، ص 458، حاشیہ 1)۔

شیعہ فرقوں کے حوالہ سے سید امیر علی اپنے اثنا عشری فرقہ کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"توقع کی جاسکتی تھی کہ شیعوں پر جو مشکلیں پڑیں وہ انہیں متحد رکھیں گی، لیکن اگرچہ سب شیعوں کا اس پر اتفاق تھا کہ منصب خلافت سلسلہ نبوی تک محدود ہے، ان میں سے بعض خاندان نبوی کے مسلمہ بزرگوں سے روگردان ہو کر عمداً یا میلاناً اس خاندان کے دوسرے افراد سے وابستہ ہوگئے۔ مسلم امام اور ان کے متبعین تو گوشہ اعتکاف میں جاگزیں رہے، اور اہل بیت ایک طرف تو دشمنوں سے برسرپیکار رہے اور دوسری طرف خانہ جنگیوں میں مشغول رہے۔ وہ وعظ بھی دیتے رہے، مباحثے اور مناظرے بھی کرتے رہے اور تکلیفیں بھی سہتے رہے۔

شہرستانی نے شیعوں کو پانچ فرقوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی زیدیہ، اسماعیلیہ، اثنا عشریہ یا امامیہ، کیسانیہ اور غالیہ یا غلاۃ۔ لیکن فی الواقعہ، جیسا کہ ہم بعد میں واضح کریں گے، ان فرقوں اور بالخصوص ان شاخوں میں جن میں وہ منقسم ہوگئے، حضرت علی سے ایک مبالغہ آمیز محبت کے سوا خالص تشیع کی کوئی بات نہیں۔ اس کے برعکس فی الاصل وہ غیر اسلامی ہیں"۔

(جسٹس سید امیر علی، روح اسلام، اردو ترجمہ سپرٹ آف اسلام، ص 482)۔

تاریخی حوالہ سے یہ بھی واضح رہے کہ سیدنا علی کے بڑے بھائی طالب جن کے نام پر ان کے والد جناب عبد مناف کی کنیت ابو طالب تھی، غزوہ بدر میں لشکر کفار میں شامل ہو کر لشکر نبوی کے ہاتھوں مقتول ہوئے اور شیعی روایات ہی کی رو سے سیدنا علی کے برادر بزرگ اور صحابی رسول سیدنا عقیل بن ابی طالب سیدنا علی کو چھوڑ کر سیدنا معاویہ سے جاملے اور جنگ صفین میں سیدنا معاویہ کے ہمراہ رہے۔

"وفارق (عقیل) اخاه علیا امیر المؤمنین فی ایام خلافته، وهرب الی معاویة وشهد صفین معه"۔

(جمال الدین عنبه، عمد: الطالب فی انساب آل ابی طالب، طبع لکھنؤ، ص 15)۔

ترجمہ:۔ اور وہ (عقیل) اپنے بھائی امیر المؤمنین علی سے ان کے ایام خلافت میں علیحدہ ہوگئے اور بھاگ کر معاویہ کے پاس چلے گئے اور انہی کے ساتھ جنگ صفین میں موجود رہے۔

یہاں برصغیر کے عالمی شہرت یافتہ عالم و مصنف، یکے از اکابر دیوبند و سابق نائب امیر جماعت اسلامی ہند، مدیر مجلہ الفرقان لکھنؤ، مولانا محمد منظور نعمانی کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے، جن

کی کئی جلدوں پر مشتمل معرکتہ الاراء تصنیف "معارف الحدیث" نیز دیگر کتب "اسلام کیا ہے؟" "دین و شریعت" "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟" اور ان کے انگریزی تراجم سے دنیا میں لاکھوں افراد کو اسلام فہمی کی سعادت ملی ہے' نیز جن کی معروف ترین کتاب "ایرانی انقلاب' امام خمینی اور شیعیت" اور اس کے عربی و فارسی و انگریزی وغیرہ تراجم لاکھوں کی تعداد میں دنیا بھر میں مقبول ہوئے ہیں اور جن کے استفتاء (1987ء) کے جواب میں برصغیرو دیگر ممالک کے ایک ہزار سے زائد علماء و مفتیان نے شیعہ اثنا عشریہ کے عقیدہ امامت و تحریف قرآن و انکار خلافت خلفاء ثلاثہ و توہین و تکفیر صحابہ کو کفرو زندقہ قرار دیا ہے' اپنے فرزند و ممتاز عالم دین مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کے مضمون "واقعہ کربلا" کے حوالہ سے جو خود ان کی ہدایت پر لکھا گیا فرماتے ہیں کہ بے بنیاد یزید مخالف پروپیگنڈہ کے گہرے اثرات خود ان پر بھی رہے ہیں:-

"مولوی عتیق نے واقعہ کربلا کے عنوان سے یہ مضمون لکھا اور ذی الحجہ سن 73ھ کے الفرقان میں شائع ہوگیا۔ میں سفر سے واپس آیا اور یہ مضمون پڑھا تو اس کی دو باتوں کی وجہ سے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ غصے سے میرا دماغ کھول اٹھا۔ ان باتوں میں سے ایک یہ تھی کہ سیدنا حسین (رض) کے اقدامات کے لئے بغاوت کا لفظ اس مضمون میں استعمال کیا گیا تھا۔

دوسری بات مضمون کا یہ بیان تھا کہ جب حضرت حسین (رض) کوفہ کے قریب پہنچ کر اس حقیقت سے آگاہ ہوئے کہ کوفہ والے غداری کرگئے ہیں اور پھر یزیدی لشکر کے پہنچ جانے سے آپ کے لئے واپسی کا راستہ بھی نہ رہا تو یزیدی سپہ سالار عمر ابن سعد کے سامنے آپ نے تین شکلیں رکھی تھیں کہ ان میں سے کسی ایک کو قبول کرلیا جائے' جن میں سے ایک یہ تھی کہ "انہیں یزید کے پاس جانے دیا جائے تاکہ وہ براہ راست اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیں"۔

میں یزید کو جتنا بڑا ظالم' خبیث اور ناہنجار ساری عمر سے جانتا آرہا تھا' اس کی بناء پر میرے نزدیک یہ ناممکن بات تھی کہ حضرت حسین (رض) ایسی پیش کش فرمائیں۔ حضرت حسین کے لئے یہ بات سوچنی بھی میرے لئے محال تھی۔ میں غصہ میں اٹھا اور مولوی عتیق کے گھر کی طرف کو روانہ ہوا تاکہ ان سے باز پرس کروں کہ یہ کیا لکھ دیا ہے۔

سو قدم کے قریب چلا ہوں گا کہ لفظ بغاوت کے بارے میں ذہن میں یہ بات آئی کہ بغاوت ہر جگہ تو معیوب نہیں ہے' بلکہ اگر ایک ظالمانہ اور کافرانہ نظام کے خلاف ہو تو ایک طرح کا جہاد ہے۔ آخر سن 1857ء میں ہمارے بزرگوں نے انگریزوں کے خلاف جو کچھ کیا تھا وہ بغاوت ہی تو تھی جس پر ہم آج بھی فخر کرتے ہیں۔ البتہ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے والی بات ویسی ہی ناقابل قبول بنی رہی۔ میں اسی حال میں مولوی عتیق کے گھر پہنچا' اور بڑے غصے کے ساتھ ان سے پوچھا کہ تم نے یہ بات کیسے اور کہاں سے لکھ دی؟ مولوی عتیق کے پاس اس طرح کے غصے کے کچھ خطوط پہلے ہی آچکے تھے اور وہ اس سلسلے میں ایک دوسرے مضمون کی تیاری کر چکے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے تاریخ کی متعدد کتابوں سے عبارتیں اور حوالے نقل کر کے رکھے ہوئے تھے' انہیں دیکھ کر مجھے بھی ماننا پڑ گیا کہ پھر تو غلط نہیں لکھا ہے"۔

(عتیق الرحمٰن سنبھلی' واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر' میسون پبلی کیشنز ملتان' ابتدائیہ از مولانا محمد منظور نعمانی' ص 7-8)۔

واقعات کربلا

اہل تشیع کے نزدیک مجاہدین لشکر حسینی کی تعداد بھی متنازعہ فیہ ہے۔ برصغیر کے عالمی شہرت یافتہ اثنا عشری عالم و مصنف مجتہد العصر سید علی نقی نقوی (م 1989ء) شہداء کربلا کی تعداد بہتر کی بجائے سو تا دو سو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ایک تاریخی صراحت کے مطابق یہ بتیس سوار اور چالیس پیادوں سے زیادہ نہیں تھے' اور اسی لئے شہداء کربلا کے لئے بہتر کا لفظ زبان زد خلائق ہے۔ مگر کربلا کے حالات جنگ اور مجاہدین کے ناموں کی تفصیل اور دوسرے متعلقہ واقعات سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ تعداد سو سے زیادہ اور دو سو سے کم تھی"۔ (سید علی نقی نقوی' شہید انسانیت' ص 370-371)۔

برصغیر کے معروف شیعہ اثنا عشری مؤرخ جناب شاکر حسین نقوی امروہوی تفاصیل واقعات کربلا کی صحت و روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی مشہور تصنیف "مجاہد اعظم" میں لکھتے ہیں:۔

"صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی۔ رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہوگئی کہ سچ سے جھوٹ کو' جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا

مشکل ہو گیا۔ ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی کربلا میں خود موجود نہ تھے۔ اس لئے یہ سب واقعات انہوں نے بھی سماعی لکھے ہیں۔ لہٰذا "مقتل ابو مخنف" پر بھی پورا وثوق نہیں۔ پھر لطف یہ کہ مقتل ابو مخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں، اور ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کے جامع نہیں، بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ شہادت امام حسین کے مشہور و زبان زدعام واقعات ابتداء سے انتہاء تک اس قدر اختلافات سے پر ہیں کہ اگر ان کو فردا فردا بیان کیا جائے تو کئی ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں۔

صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں۔ اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، جناب زینب کے صاحبزادوں کا نو دس برس کی عمر میں شہادت پانا، فاطمہ کبریٰ کا عقد روز عاشورہ قاسم ابن حسن کے ساتھ ہونا، عباس علمدار کا اس قدر جسیم اور بلند قامت ہونا کہ باوجود سواری اسپ و رکابہ آپ کے پاؤں زمین تک پہنچتے تھے۔ جناب سید الشہداء کی شہادت کے موقع پر آپ کی خواہر گرامی جناب زینب بنت امیر المؤمنین کا سروپا برہنہ خیمہ سے نکل کر مجمع عام میں چلا آنا، شمر کا سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر تن سے جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعش مطہر کو لکدکوب سم اسپاں کیا جانا، سرادقات اہل بیت کی غارتگری اور نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا، شمر کا سکینہ بنت حسین کے منہ پر طمانچہ مارنا، سکینہ کی عمر تین سال کی ہونا، روانگی اہل بیت کے وقت جناب زینب کی پشت پر درے لگائے جانا، اہل بیت رسالت کو بے مقنع و چادر ننگے اونٹوں پر سوار کرنا، سید الساجدین کو طوق و زنجیر پہنا کر ساربانی کی خدمت دیا جانا، علاوہ کوفہ و دمشق کے اثناء راہ میں جابجا اہل حرم کو نہایت ذلت و خواری کے ساتھ تشہیر کرنا، مجلس دمشق میں عرصہ دراز تک نبی زادیوں کا قید رہنا، ہندہ زوجہ یزید کا قید خانہ میں آنا یا اس کا اہل بیت کی روبکاری کے وقت محل سرائے شاہی سے سردربار نکل آنا، سکینہ کا قید خانہ ہی میں رحلت پانا، سید الساجدین کا سرہائے شہداء لے کر اربعین (20 صفر) کو کربلا واپس آجانا اور چالیسویں روز سرہائے شہداء کو سپرد خاک کرنا، وغیرہ وغیرہ، نہایت مشہور، زبان زد خاص و عام ہیں۔

حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف، بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں"۔ (شاکر حسین نقوی امروہوی، مجاہد اعظم ص 7 تا 174)۔

بندش آب

کربلا میں لشکر ابن زیاد کی جانب سے بندش آب کے بعد فراہمی آب کی تدبیر بیان کرتے ہوئے عالمی شہرت یافتہ اثنا عشری مورخ میرزا محمد تقی سپہر کاشانی اپنی ضخیم و معروف فارسی تصنیف "ناسخ التواریخ" میں نقل فرماتے ہیں:۔

"آنحضرت تبرے برگرفت واز بیرون خیمہ زنان نوزدہ گام بجانب قبلہ برفت۔ آنگاہ زمین را باتیر لختے حفر کرد۔ ناگاہ آبے زلال و گوارا بجوشیدہ۔ اصحاب آنحضرت بنوشید' ومشکہا پر آب کردند"۔

(میرزا محمد تقی سپہر کاشانی' ناسخ التواریخ' طبع ایران' 1309ھ' جلد 6' از کتاب دوئم' ص 235)۔

ترجمہ :۔ آنحضرت (حسین) نے ایک کدال اٹھائی اور عورتوں کے خیمہ سے باہر کی طرف انیس قدم قبلہ کی جانب چل کر گئے' اور زمین کو تھوڑا سا کھودا تو اچانک آب شفاف و گوارا زور سے نکل پڑا۔ آپ کے ساتھیوں نے نوش فرمایا اور مشکیں بھی بھر لیں۔

شیعہ مذہب کی معتبر کتاب "منتہی الآمال" میں درج ہے:۔

"دسویں محرم کو حضرت حسین نے تیس سواروں اور بیس پیادوں کو بھیجا تو وہ پانی کی چند مشکیں بھر کر لائے چنانچہ آپ نے وضو فرمایا اور لوگوں سے کہا وضو اور غسل کر لو"۔

(شیخ عباس قمی' منتہی الآمال' ج 1' ص 309)۔

بندش آب کے حوالہ سے مفکر اسلام مولانا منظور نعمانی کے فرزند اور معروف عالم و مصنف مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی حنفی کا روایت طبری کے حوالہ سے یہ تبصرہ بھی قابل توجہ ہے:۔

"کربلا جیسی لب دریا سرزمین میں اس بات کو ممکن سمجھ لینا کہ وہاں ڈیڑھ دو سو ایسے مسلح انسانوں پر جن میں تیس بتیس سوار بھی تھے' مسلسل تین دن تک پانی کی مکمل بندش کی جاسکتی تھی' یہ عقل و خرد سے مکمل رخصت لئے بغیر تو ممکن نہیں۔ ہاں اگر یہ بات کہی جائے کہ پانی کا گھاٹ یعنی اس جگہ کا جو قریبی گھاٹ تھا' روکا گیا تھا تاکہ حسینی قافلہ بسہولت پانی نہ لے سکے تو یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ پانی کے گھاٹ سے پانی حاصل کرنے اور

جانوروں کو پلانے میں جو آسانی ہوتی ہے وہ ظاہر ہے کہ گھاٹ سے ہٹ کر دوسری جگہ نہیں ہوسکتی' اور واقعہ یہ ہے کہ روایت میں گھاٹ روکنے ہی کا ذکر ہے"۔

(مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی' واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر' ص 217' مطبوعہ میسون پبلی کیشنز' ملتان)۔

قاتلین حسین (رض)

قاتلین حسین و واقعات کربلا کے سلسلہ میں طبری و یعقوبی وغیرہ مختلف شیعی و سنی مصادر تاریخ کے حوالہ سے مؤرخ اسلام شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ رفقاء و اقارب سیدنا حسین (علی اکبر بن حسین' قاسم و ابوبکر بن حسن وغیرھم) کی شہادت کے بعد آخر میں سیدنا حسین میدان جنگ میں آئے۔

"ان کے بعد حضرت امام حسین نکلے' عراقیوں نے ہر طرف سے یورش کردی۔ آپ کے بھائی عباس' عبداللہ' جعفر اور عثمان آپ کے سامنے سینہ سپر ہوگئے اور چاروں نے شہادت حاصل کی۔ اب امام حسین بالکل خستہ اور نڈھال ہوچکے تھے۔ پیاس کا غلبہ تھا' فرات کی طرف بڑھے۔ پانی لے کر پینا چاہتے تھے کہ حسین بن نمر نے تیر چلایا' چہرہ مبارک زخمی ہوگیا۔ آپ فرات سے لوٹ آئے۔ اب آپ میں کوئی سکت باقی نہ تھی۔ عراقیوں نے ہر طرف سے گھیرلیا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے ہاتھ اور گردن پر وار کیے۔ سنان بن انس نے تیر چلایا' اور آپ زخموں سے چور ہوکر گر پڑے۔ آپ کے گرنے کے بعد سنان بن انس نے سر اقدس تن سے جدا کردیا۔ یہ حادثہ عظمیٰ 10 محرم 61ھ مطابق ستمبر 681ء پیش آیا۔

اس معرکہ میں بہتر آدمی شریک ہوئے' جس میں بیس خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ شہادت کے دوسرے دن غاغریہ والوں نے شہداء کی لاشیں دفن کیں۔ حضرت امام حسین کا جسد مبارک بغیر سر کے دفن کیا گیا۔ سر ابن زیاد کے ملاحظہ کے لئے کوفہ بھیج دیا گیا"۔

(شاہ معین الدین ندوی' تاریخ اسلام' نصف اول' ص 367' ناشران قرآن لمیٹڈ' لاہور' واقعات بحوالہ تاریخ طبری و یعقوبی و الکامل لابن الاثیر و الاخبار الطوال للدینوری ملخصاً)۔

طبری کی بیان کردہ سیدنا محمد الباقر کی طویل روایت میں سیدنا حسین کی مذکورہ تین شرائط کے جواب میں جب ابن زیاد نے کہا: لاکرامۃ حتی یضع یدہ فی یدی۔ جب تک وہ میرے ہاتھ

میں ہاتھ نہ دیں کوئی اکرام نہیں' تو سیدنا حسین نے دست در دست ابن زیاد سے انکار کیا' کیونکہ وہ اس کے ہاتھوں مسلم بن عقیل کا انجام دیکھ چکے تھے۔ پس آپ نے فرمایا۔ واللہ لایکون ذلک ابدا"۔ بخدا ایسا کبھی نہ ہوپائے گا۔ اس کے بعد اسی روایت کے مطابق سیدنا حسین نے غدار و بے وفا شیعان کوفہ کو اپنے قاتلین قرار دیا۔

"فقاتله فقتل اصحاب الحسين كلهم و فيهم بضعة عشر شابا" من اهل بيته' وجاء سهم فاصاب ابنا" له معه فى حجره فجعل يمسح الدم عنه ويقول:۔ اللهم احكم بيننا و بين قوم دعونا لينصرونا فقتلونا۔

ثم امر بحبرة فشقها ثم لبسها و خرج بسيفه فقاتل حتى قتل صلوات الله عليه"۔

(ابن جریر الطبری' تاریخ الطبری ج 4' ص 220)۔

ترجمہ:۔ پس آپ کی ان سے جنگ ہوئی اور تمام رفقائے حسین مقتول ہوئے جن میں آپ کے اہل خانہ میں سے بھی پندرہ بیس جوان تھے۔ ایک تیر آپ کے اس بیٹے کو لگا جو آپ کے ہمراہ گود میں تھا۔ پس آپ اس کا خون پونچھتے جاتے تھے اور فرما رہے تھے:۔

یا اللہ ہمارے اور ان لوگوں (شیعان کوفہ) کے درمیان تو ہی انصاف فرما' جنہوں نے اپنی مدد و نصرت سے ہمارا ساتھ دینے کے لئے ہمیں بلایا اور پھر ہمارے قاتل بن گئے۔

پھر آپ نے ایک چادر طلب فرمائی۔ اسے پھاڑا اور اپنے اوپر لپیٹ کر تلوار لئے نکلے اور قتال کیا' یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ صلوات اللہ علیہ۔

پیر طریقت علامہ محمد قمرالدین سیالوی(رح) بعض شہدائے کربلا کے اسماء گرامی نقل کرتے ہوئے شیعہ کتب کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

"جلاء العیون مصنفہ باقر مجلسی میں بالتصریح موجود ہے' اور کشف الغمہ صفحہ 132 اور صفحہ 224 پر حضرت سیدنا امام عالی مقام علی کرم اللہ وجہہ کے ایک صاحبزادے کا نام مبارک ابوبکر' دوسرے کا نام مبارک عمر' تیسرے کا نام مبارک عثمان موجود ہے اور یہ بھی تصریح ہے کہ یہ تینوں حضرات اپنے بھائی کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ جلاء العیون میں ہے کہ امام عالی مقام شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فرزند کا نام عمر ہے جو علی اکبر کے نام سے مشہور تھے۔

کشف الغمہ صفحہ 171 میں ہے کہ امام عالی مقام سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایک صاحبزادے صاحب کا نام مبارک ابوبکر دوسرے کا نام مبارک عمر ہے۔ کشف الغمہ ص 200 میں ہے کہ امام عالی مقام سیدنا علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادہ صاحب کا نام مبارک عمر ہے۔ کشف الغمہ ص 243 میں امام عالی مقام ابوالحسن موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہما کے ایک صاحبزادہ صاحب کا نام مبارک ابوبکر ہے' دوسرے کا نام مبارک عمر ہے"۔

(علامہ قمرالدین سیالوی' مذہب شیعہ' ص 108-109' مطبوعہ لاہور' 1377ھ)۔

یہ بھی واضح رہے کہ "ام رباب" کی کنیت سے معروف' سیدنا حسین کی زوجہ اولی سیدہ آمنہ' والدہ علی اکبر (عمرا) متعدد روایات کی رو سے سیدنا معاویہ کی حقیقی بھانجی یعنی سیدہ میمونہ بنت ابی سفیان کی بیٹی بتلائی جاتی ہیں۔ (جمہرۃ الانساب لابن حزم' ص 255' و تاریخ الطبری' ج 3' ص 19)۔

طبری ہی کی روایت کے مطابق کوفیوں کے ہاتھوں شہادت حسین سے پہلے سیدہ زینب نے نبی صلی اللہ وسلم کے ماموں زاد عمر بن سعد بن ابی وقاص کو جو امیر لشکر ہونے کے باوجود قتال کو ٹالتے ہوئے ابن زیاد کے برعکس صلح و مفاہمت کے خواہاں تھے' مخاطب کرکے فرمایا:۔

"یاعمر بن سعد ایقتل ابو عبدالله و انت تنظر الیه"۔

(طبری' ج 6' ص 260)۔

ترجمہ :۔ اے عمر بن سعد کیا ابو عبداللہ (حسین) قتل کردیئے جائیں گے اور تم (بے بسی سے) دیکھتے رہ جاؤ گے۔

طبری کی بیان کردہ شیعی المذہب ابو مخنف کی روایت کے مطابق ابن سعد پر شہادت حسین سے ایسا رنج وصد طاری ہوا کہ زار و قطار رونے لگے۔

"قال : فکانی انظر دموع عمر (بن سعد) وهی تسیل علی خدیه' و لحیته"۔ (طبری' ج 6' ص 259)۔

ترجمہ :۔ (راوی نے بیان کیا) گویا میں عمر (بن سعد) کے آنسو ان کے گالوں اور داڑھی پر بہتے سامنے دیکھ رہا ہوں۔

ابن سعد کے خواتین حسینی کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں درج ذیل روایت

قابل توجہ ہے:۔

"وامر عمر بن سعد بحمل نساء الحسین واخواته وجواریه وحشمه فی المحامل المستورة علی الابل"۔

(ابو حنیفة الدینوری 'الاخبار الطوال' ص 270)۔

ترجمہ:۔ اور عمر بن سعد نے حکم دیا کہ حسین کی بیبیوں' بہنوں' کنیزوں اور خاندان کی عورتوں کو پردہ دار محملوں میں اونٹوں پر سوار کیا جائے۔

"اہل بیت کا سفر شام اور یزید کا تاثر

حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد اہل بیت کا قافلہ ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیجا گیا۔ اس نے معائنہ کے بعد شام بھجوا دیا۔ یہ حادثہ عظمیٰ یزید کی لاعلمی میں اور بغیر اس کے حکم کے پیش آیا تھا' کیونکہ اس نے صرف بیعت لینے کا حکم دیا تھا' لڑنے کی اجازت نہ دی تھی۔ اس لئے جب اس کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو اس کے آنسو نکل آئے' اور اس نے کہا:۔

(اگر تم حسین کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا۔ ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت ہو۔ اگر میں موجود ہوتا تو خدا کی قسم حسین کو معاف کر دیتا۔ خدا ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے)۔ (طبری' ج 7' ص 375 و اخبار الطوال' ص 373)۔

اس کے بعد جب اہل بیت کا قافلہ شام پہنچا تو یزید ان کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور ان سے کہا:۔

(خدا ابن مرجانہ کا برا کرے۔ اگر اس کے اور تمہارے درمیان قرابت ہوتی تو وہ تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا اور اس طرح تم کو نہ بھیجتا)۔

فاطمہ بنت علی کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کئے گئے تو ہماری حالت دیکھ کر اس پر رقت طاری ہو گئی۔ ہمارے ساتھ بڑی نرمی اور ملاطفت سے پیش آیا' اور ہمارے متعلق احکام دیئے۔ (طبری' ج 7' ص 377)"۔

(شاہ معین الدین احمد ندوی' تاریخ اسلام' جلد اول' (حصہ دوم' ص 368' مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ' اردو بازار لاہور)۔

"یزید کے گھر میں ماتم

یزید کا پورا کنبہ اہل بیت نبوی کا عزیز تھا۔ اس لئے انہیں حرم سرائے شاہی میں ٹھہرایا

گیا۔ جیسے ہی مخدرات عصمت مآب زنانخانہ میں داخل ہوئیں' یزید کے گھر میں کہرام مچ گیا اور تین دن تک ماتم بپا رہا۔ یزید امام زین العابدین کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھلاتا تھا"۔
(معین الدین ندوی' تاریخ اسلام' جلد اول' حصہ دوم' ص 368۔369 بحوالہ طبری' ج 7' ص 378)۔

"نقصان کی تلافی

حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد اموی فوج کے وحشی سپاہیوں نے اہل بیت کا کل سامان لوٹ لیا تھا۔ یزید نے پوچھ پوچھ کر جتنا مال لٹا تھا' اس کا دونا دلوادیا۔ سکینہ بنت حسین کا شریف اور منت پذیر دل اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوا (طبری' جلد 7' ص 378)"۔
(معین الدین ندوی' تاریخ اسلام' طبع لاہور' نصف اول (حصہ دوم' ص 369)۔

"اہل بیت کی واپسی اور یزید کا شریفانہ برتاؤ

چند دن ٹھہرانے کے بعد جب اہل بیت کرام کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے انہیں بڑے اہتمام کے ساتھ رخصت کیا۔ امام زین العابدین کو بلا کر ان سے کہا:۔
ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو' اگر میں ہوتا تو خواہ میری اولاد ہی کیوں نہ کام آجاتی' میں حسین کی جان بچالیتا' لیکن اب قضا الٰہی پوری ہو چکی' آئندہ تم کو جس قسم کی بھی ضرورت پیش آئے مجھے لکھنا۔ (طبری' جلد 7' ص 379)۔
اس کے بعد بڑی حفاظت اور اہتمام کے ساتھ قافلہ کو روانہ کیا۔ چند دیانت دار اور نیک آدمیوں کو حفاظت کے لئے ساتھ کیا۔ ان لوگوں نے بڑے اعزاز و احترام کے ساتھ مدینہ پہنچایا۔ ان کے شریفانہ سلوک سے اہل بیت کی خواتین اتنی متاثر ہوئیں کہ فاطمہ اور زینب نے اپنے زیور اتار کر ان کے پاس بھیجے' لیکن انہوں نے یہ کہہ کر واپس کردیا کہ ہم نے دنیاوی منفعت کے خیال سے نہیں بلکہ خالصتاً لوجہ اللہ اور قرابت نبوی ے خیال سے یہ خدمت انجام دی' اس لئے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (طبری 378/7)"۔
(معین الدین ندوی' تاریخ اسلام' طبع لاہور' نصف اول' دوم' ص 369)۔
کوفی و عراقی قاتلین حسین و رفقائے حسین کے حوالہ سے شیعی روایت نقل کرتے ہوئے پیر طریقت علامہ محمد قمرالدین سیالوی بانی صدر جمعیت علمائے پاکستان فرماتے ہیں:۔
"اب تھوڑا سا غور اس بات پر بھی کرلیں کہ امام عالی مقام سیدنا حسین بن علی رضی

اللہ عنہما کو کن لوگوں نے شہید کیا۔ اور وہ لوگ کون تھے جنہوں نے مکرو فریب کے ساتھ لاتعداد دعوت نامے لکھے تھے۔

احتجاج طبری، صفحہ 57، حضرت سیدنا امام زین العابدین کوفیوں کو خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ:۔

تم نہیں جانتے کہ تم ہی لوگوں نے میرے والد ماجد کی طرف خط لکھے، اور تم ہی نے ان سے دھوکہ کیا، اور تم ہی لوگوں نے اپنی طرف سے عہدو پیمان باندھے، بیعت کی۔ اور تم ہی لوگوں نے ان کو شہید کیا اور ان کو تکلیفیں دیں۔ پس جو ظلم تم نے کمائے ہیں ان کی وجہ سے ہلاکت ہے، تمہارے لئے اور تمہارے برے ارادوں کے لیے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کس آنکھ سے دیکھو گے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے:۔

تم نے میری آل کو قتل کیا اور میرے خاندان کو تکلیفیں پہنچائیں۔ پس تم میری امت میں سے نہیں ہو"۔

(علامہ محمد قمرالدین سیالوی، مذہب شیعہ، مطبوعہ لاہور، 1377ھ، ص 97)۔

عالمی شہرت یافتہ شیعہ مجتہد اعظم ملا باقر مجلسی (م 1111ھ) مؤلف شیعہ انسائیکلوپیڈیا "بحار الانوار" و دیگر کتب نے اپنی مشہور فارسی تصنیف، "جلاء العیون" میں سیدہ زینب و ام کلثوم دختران علی (رض) اور دیگر خواتین کے خطبات نقل فرمائے ہیں جن میں انہوں نے شیعان کوفہ کو شہادت حسین و واقعہ کربلا کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے ان کی شدید مذمت فرمائی ہے۔

نواسی رسول (ص) سیدہ زینب بنت علی (رض)

ایک لاکھ سے زائد شیعان کوفہ سیدنا حسین کو دعوت بیعت دینے کے بعد انہیں بے یارومددگار چھوڑ کر امامت و خلافت یزید کی بیعت کرگئے، چنانچہ شہادت حسین و رفقائے حسین کے بعد شیعان کوفہ کو اس تمام صورت حال کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے اپنے خطاب میں سیدہ زینب فرماتی ہیں:۔

"بشیر بن حریم اسدی گفت دریں وقت زینب خاتون دختر امیرالمومنین اشارہ کرد بسوئے مردم کہ خاموش شوید۔ وباں شدت و اضطراب چناں سخن میگفت کہ گویا اززبان امیرالمومنین سخن میگوئد۔ پس بعد از محامد الٰہی و درود حضرت رسالت پناہی و صلوات بر اہل

بیت اخیار و عترت اطہار گفت۔

اما بعد اے اہل کوفہ اہل غدر و مکر و حیلہ! آیا شما برما میگر-یید وہنوز آب دیدہ ما از جور شمانہ استادہ و نالہ ما از ستم شما ساکن نگردیدہ۔ مثل شما مثل آں زن است کہ رشتہ خود را محکم می تابید و باز میکشود۔ وشما نیز رشتہ ایمان خودرا شکستید و کفر خود بر گشتید و نیست درمیان شما مگر دعوئی بے اصل و سخن باطل و تملق فرزند کنیزاں و عیب جوئی دشمناں۔ وز-ستید مگر مانند گیاہی کہ در فرنبہ روید با نقرہ کہ آرائش قبر کردہ باشد۔ بد توشہ خود با آخرت فرستادید۔ وخود را مخلد در جہنم گردانیدید۔ اما شما برما گریہ و نالہ بکنید۔ خودما را کشتہ اید و برما میگر-یید۔ بلے واللہ باید کہ بسیار بگر-یید و کم خندہ بکنید"۔

(ملا باقر مجلسی' جلاء العیون' جلد دوم' ص 593' مطبوعہ تہران جدید' خطبہ حضرت زینب خاتون)۔

ترجمہ:۔ بشیر بن حریم اسدی کہتا ہے کہ اس وقت حضرت زینب دختر امیر المومنین نے اشارتاً کہا کہ خاموش رہو۔ اس حالت اضطراب و شدت میں اس طرح کلام کرتی تھیں گویا امیر المومنین کلام فرماتے ہیں۔ پس بعد ادائے حمد الٰہی و درود بر حضرت رسالت پناہ و اہل بیت اخیار و عترت اطہار فرمایا:۔

اما بعد! اے اہل کوفہ اے اہل مکر و غدر و حیلہ! تم ہم پر گریہ کرتے ہو جب کہ تم نے ہی ہمیں قتل کیا ہے۔ ابھی تمہارے ظلم سے ہمارا رونا موقوف نہیں ہوا اور تمہارے ستم سے ہمارا نالہ و فریاد ساکن نہیں ہوئے۔ اور تمہاری مثال اس عورت کی ہے جو اپنی رسی کو مضبوط بٹتی اور کھول ڈالتی تھی۔ تم نے بھی اپنی رسی ایمان کو توڑا اور اپنے کفر کی طرف پھر گئے۔ تمہارا دعویٰ مگر سراسر بے اصل اور ایک سخن باطل اور خوشامد فرزند کنیزاں و عیب جوئی دشمنان ہے اور مثل تمہاری ایسی ہے جیسے گھاس گھورے پر اگی ہو۔ قبر سیاہ و تیرہ و تار پر آرائش نقرہ نکار کی گئی ہو۔ تم نے اپنے لئے آخرت میں ذخیرہ بہت خراب بھیجا اور اپنے کو ابد الاباد تک سزاوار جہنم کیا۔ تم ہم پر گریہ و نالہ کرتے ہو؟ جب کہ خود تم نے ہی ہمیں قتل کیا اور خود ہی روتے ہو۔ ہاں اللہ کی قسم تمہی زیادہ روؤ گے اور کم ہنسو گے۔

نواسی رسول (ص) سیدہ ام کلثوم بنت علی (رض)۔

سیدنا حسین کو ہزاروں خطوط کے ذریعے دعوت بیعت دے کر غداری کرنے والے

شیعان کوفہ کی مذمت میں واقعہ کربلا کے بعد نواسی رسول(ص) سیدہ ام کلثوم بنت علی کا خطاب شیعہ مجتہد اعظم علامہ باقر مجلسی نے یوں نقل فرمایا ہے:۔

"پس ام کلثوم دختر دیگر حضرت سیدۃ النساء صدا بگریہ بلند کرد و از ہودج محترم ندا کرد حاضر افراد کہ:۔ اے اہل کوفہ بدبحال شما و ناخوش باد اولیائی شما۔ بچہ سبب برادرم حسین را خواندید ویاری او نکردید۔ و او را بقتل آوردید و اموال او را غارت کردید و پردگیان حرم سرائے او را اسیر کردید۔ وائے برشما و لعنت بر اولیائے شما۔ مگر نمیدانید کہ چہ کار کردید۔ فرچہ گناہان اوزار بر پشت خود بار کردید۔ وچہ خونہائے محترم ریختید وچہ دختران محترم مکرم را نالاں کردید"۔

(ملا باقر مجلسی' جلاء العیون' جلد دوم' ص 595 تا 596' مطبوعہ ایران جدید' خطبہ حضرت ام کلثوم در کوفہ)۔

ترجمہ:۔ بعد اس کے ام کلثوم دوسری دختر جناب فاطمہ نے صدائے گریہ و زاری بلند کی اور رو رو کر آواز دی کہ اے کوفہ والو تمہارا حال و مال برا ہو اور تمہارے منہ سیاہ ہوں' تم نے کس سبب سے میرے بھائی حسین کو بلایا اور ان کی مدد نہ کی' اور انہیں قتل کر کے مال و اسباب ان کا لوٹ لیا' اور ان کے پردگیان عصمت و طہارت کو اسیر کیا۔ وائے ہو تم پر اور لعنت ہو تم پر۔ کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے کیا ظلم و ستم کیا ہے' اور کن گناہوں کا اپنی پشت پر انبار کیا ہے اور کیسے خونہائے محترم کو بہایا' دختران محترم کو نالاں کیا۔

اہل بیت علی کی جانب سے واقعہ کربلا و شہادت حسین کی بنیادی ذمہ داری شیعان کوفہ پر عائد کئے جانے کے تفصیلی بیانات کے بعد "ظلم کی ذمہ داری کس پر" کے زیر عنوان مولانا سنبھلی کا یہ بیان بھی قابل توجہ ہے۔ جس میں یزید کے بجائے ابن زیاد اور شیعان کوفہ کو شہادت حسین اور واقعہ کربلا کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"تاریخی شہادتوں کا جو ذخیرہ ہمارے سامنے ہے وہ کسی طرح بھی اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اس خون ناحق کی ذمہ داری یزید پر ڈالی جائے۔ یزید نے بے شک ابن زیاد کے سپرد یہ بھی کیا تھا کہ وہ حضرت حسین سے نمٹے اور کوفے میں ان کو آزادانہ داخل نہ ہونے دے۔ اس کے بعد اگر یہ بات پیش نہ آگئی ہوتی کہ حضرت حسین نے اس مہم سے قطعی دستبرداری ظاہر کر کے جسکے لیئے وہ مکے سے نکلے تھے' یزید کے پاس جانے اور اپنا فیصلہ اس کے ہاتھ میں

رکھ دینے کی پیشکش کردی۔ تب بے شک ابن زیاد کے حکم سے کی جانے والی جنگی کارروائی کی اصل ذمہ داری یزید ہی پر آتی۔

مگر اس کامل طور پر تبدیل شدہ صورت حال میں ابن زیاد نے یزید سے رجوع کئے بغیر اور کارروائی کے افسر اعلیٰ عمر بن سعد کے مشورے کے بھی برخلاف جو قتل و قتال کی کارروائی کرائی' اس کی ذمہ داری یزید پر ڈالنا تو ایک زیادتی کی بات ہوگی۔ ہاں اگر یزید اس کارروائی سے اپنی رضامندی اور خوشنودی کا اظہار کرتا تو پھر ضرور حق تھا کہ اسی کو اصل ذمہ دار قرار دیا جائے۔ مگر اس بارے میں ہم گزشتہ باب میں مختلف روایتوں کا جائزہ لے کر دیکھ چکے ہیں کہ ذمہ داری کے ساتھ ایسی بات یزید کی طرف منسوب کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے' بلکہ متعدد قرائن و شواہد کی روشنی میں پلڑا ان روایتوں کا بھاری نظر آتا ہے جو اس واقعہ پر یزید کی نارضامندی اور ناخوشی ظاہر کرتی ہیں' اور اسی بناء پر اس باب (نمبر13) کے پچھلے صفحات میں ابھی ہم لکھ کر آئے ہیں کہ:۔

(یزید کے پاس آپ کا اس درجہ لچک کے ساتھ جانا کہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدیں" اس کا نتیجہ وقت کے تمام دستیاب شواہد و قرائن کی روشنی میں سوائے اس کے کچھ نہیں ہونا تھا کہ یزید آپ کا اکرام کرتا اور حضرت معاویہ کی وصیت کے مطابق انہی کے نقش قدم پر "صلح حسن" جیسا کوئی باب یزید اور حضرت حسین کے درمیان بھی ضرور رقم ہوتا)۔

پس ہمارے خیال کے مطابق اس کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا تھا کہ اگر حضرت حسین کی پیشکش کے بارے میں یزید سے رجوع کیا جاتا تو وہ ابن زیاد کو اس رویئے اور اس کارروائی کی اجازت دیتا جو کربلا میں اس کے (ابن زیاد کے) حکم سے ہوئی"۔

(مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی' واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر مطبوعہ ملتان" ص 249-250)۔

یزید نے ابن زیاد کو سزا کیوں نہ دی

مولانا مودودی پہلے سیدنا حسین کی سہ نقاطی پیشکش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"حضرت حسین نے آخر وقت میں جو کچھ کہا تھا وہ یہ تھا کہ یا تو مجھے واپس جانے دو یا کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو' یا مجھ کو یزید کے پاس لے چلو۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی نہ مانی گئی اور اصرار کیا گیا کہ آپ کو عبیداللہ بن زیاد (کوفہ کے گورنر) ہی کے پاس

چلنا ہوگا۔ حضرت حسین اپنے آپ کو ابن زیاد کے حوالہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے' کیونکہ مسلم بن عقیل کے ساتھ جو کچھ وہ کرچکا تھا' وہ انہیں معلوم تھا' آخر کار ان سے جنگ کی گئی"۔

(ابو الاعلیٰ مودودی' خلافت و ملوکیت' ص 180' ادارہ ترجمان القرآن لاہور' اپریل 1980ء)۔

اس کے بعد مولانا مودودی یزید کی جانب سے ابن زیاد کو واقعہ کربلا کا ذمہ دار ہونے کی بناہ پر سزا نہ دینے کا سوال اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"دمشق کے دربار میں جو کچھ ہوا اس کے متعلق روایات مختلف ہیں' لیکن ان سب روایتوں کو چھوڑ کر ہم یہی روایت صحیح مان لیتے ہیں کہ وہ حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں کے سر دیکھ کر آبدیدہ ہوگیا اور اس نے کہا کہ:۔

میں حسین (رض) کے قتل کے بغیر بھی تم لوگوں کی طاعت سے راضی تھا' اللہ کی لعنت ہو ابن زیاد پر' خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو حسین کو معاف کردیتا۔

اور یہ کہ:۔ خدا کی قسم اے حسین! میں تمہارے مقابلے میں ہوتا تو تمہیں قتل نہ کرتا۔

پھر بھی یہ سوال لازماً پیدا ہوتا ہے کہ اس ظلم عظیم پر اس نے اپنے سرپھرے گورنر کو کیا سزا دی؟ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس نے ابن زیاد کو نہ کوئی سزا دی' نہ اسے معزول کیا' نہ اسے ملامت ہی کا کوئی خط لکھا"۔

(ابوالاعلیٰ مودودی' خلافت و ملوکیت' لاہور' اپریل 1980ء' ص 181' روایات مذکورہ بحوالہ تاریخ الطبری 352/4 و الکامل لابن الاثیر 298/3۔299 والبدایہ والنہایہ لابن کثیر 203/8)۔

ابن کثیر کے اصل بیان کے آخر میں "واللہ اعلم" کے الفاظ بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ ابن کثیر نے ان باتوں کو نقل فرمادیا ہے' مگر ان مختلف و متضاد روایتوں سے انہیں جو الجھن محسوس ہورہی ہے اس پر "اللہ ہی بہتر جانتا ہے" فرماکر بات ختم کردی۔

"وقد لعن ابن زیاد علی فعله و شتمه فیما یظهر ویبدا' ولکن لم یعزله علی ذلک' ولا اعقبه' ولا ارسل احدا' یعیب علیه ذلک' والله

اعلم"۔(ابن کثیر' البدایۃ' والنھایۃ' ج 8' ص 203)۔

ترجمہ:۔ یزید نے ابن زیاد کے فعل پر لعنت تو کی اور اسے برا بھلا بھی کہا' جیسا کہ بظاہر (روایات سے) معلوم ہوتا ہے مگر نہ تو اس (خلاف حسین) اقدام پر اسے معزول کیا' نہ سزا دی اور نہ کسی کو اس کی طرف بھیج کر اس کے جرم و عیب کا احساس دلایا۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے (کہ حقیقت حال کیا رہی)۔

بہرحال یزید کا برسر دربار پسماندگان حسین کی موجودگی میں ابن زیاد پر لعنت بھیجنا' محققین کے نزدیک خفیہ یا تحریری ملامت سے برتر اور واضح تر اقدام ہے۔ علاوہ ازیں محققین کے نزدیک واقعہ کربلا کے ذمہ دار ابن زیاد کے ساتھ شیعان کوفہ کو سزا دینا بھی لازم تھا جس پر ایک طرف ابن زیاد و شیعان کوفہ کی جانب سے یزید کے خلاف بغاوت کا واضح امکان تھا۔ اور دوسری طرف ایسی ممکنہ بغاوت کو کچلنے کی صورت میں انتقام حسین کی آڑ میں اہل تشیع کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا الزام بھی یزید پر عائد کردیا جاتا۔ بہرحال اس سوال کے جواب میں مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی فرماتے ہیں:۔

"یہ سوال جب کسی عام آدمی کی طرف سے سامنے آئے تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہوتی' مگر جب پڑھے لکھے لوگ بھی یہ سوال اٹھاتے ہیں تو پھر حیرت ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ اس لئے کہ نارضامندی اور سزادہی کا کوئی ایسا لازمی تعلق نہیں ہے کہ ایک حاکم نے اپنے ماتحت کی کسی بات کو ناپسند کیا ہو تو وہ اسے سزا بھی ضرور دے۔ بہت سی دفعہ ناخوشی کا اظہار بھی اس آدمی پر کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا ہے' اور اس کی کیسی قابل لحاظ مثال ہمارے سامنے موجود کہ حضرت علی (رض) کی فوج میں' بلکہ ان کے نہایت خاص معتقدین میں وہ لوگ شامل تھے جو قاتلان عثمان کے سرگروہ شمار کئے جاتے تھے' اور خود حضرت علی کو اس الزام سے انکار نہ تھا۔ مگر اس مطالبے کے جواب میں کہ ان کو سزا دی جائے یا ورثائے عثمان کے سپرد کیا جائے' حضرت علی کو ہمیشہ یہی کہنا پڑا کہ حالات اجازت نہیں دیتے۔ یعنی سزا کا مطالبہ کرنے والے بھی موجود تھے' اصولاً" حضرت علی کو مطالبے سے اتفاق بھی تھا' پھر بھی مصالح وقت کا مسئلہ ایسا تھا کہ آپ اس پر عمل درآمد نہیں کرسکتے تھے"۔

(عتیق الرحمٰن سنبھلی' واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر' ملتان' ص 250-251)۔

اہل کوفہ و عراق کے حوالے سے عبقری اسلام مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ ارشاد بھی قابل

توجہ ہے جس سے ابن زیاد کے کربلا و کوفہ کے بارے میں سخت موقف کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے:-

"عراق شروع ہی سے شورش پسند قبائل کا مرکز تھا۔ یہاں کی بے چینی کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی۔ والیوں پر والی آتے تھے اور بے بس ہو کر لوٹ جاتے تھے' لیکن حجاج بن یوسف کی تلوار نے اپنی ایک ہی ضرب میں عراق کی ساری شورہ پشتی ختم کر ڈالی۔ خود اس عہد کے بڑے بڑے لوگوں کو اس پر تعجب تھا۔ قاسم بن سلام کہا کرتے تھے:۔ کوفہ کی خودداری و نخوت اب کیا ہو گئی؟ انہوں نے امیرالمومنین علی کو قتل کیا' حسین ابن رسول کا سر کاٹا' مختار جیسا صاحب جبروت ہلاک کر دیا' مگر حجاج کے سامنے بالکل ذلیل ہو کر رہ گئے"۔

(تحریر مولانا ابوالکلام آزاد' مطبوعہ "الہلال" کلکتہ' 12 اگست 1927ء)۔

سیدنا حسین کے ساتھ شیعان کوفہ کے غدارانہ طرز عمل کے ساتھ تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو کہ انہی شیعان کوفہ و عراق نے جب بنو عباس کے ساتھ مل کر بنو امیہ (41-132ھ) کا تختہ الٹا تو باسٹھ سال پہلے فوت شدہ اور چادر نبوی میں کفن یافتہ سیدنا معاویہ (م رجب 60ھ) سمیت بنو امیہ سے تعلق رکھنے والے خلفاء و صحابہ و تابعین کی قبروں اور میتوں تک کی بے حرمتی کر ڈالی۔ اس حوالہ سے مولانا مودودی بیان فرماتے ہیں:۔

"بنو امیہ کے دارالسلطنت دمشق کو فتح کر کے عباسی فوجوں نے وہاں قتل عام کیا' جس میں پچاس ہزار آدمی مارے گئے۔ ستر دن تک جامع بنی امیہ گھوڑوں کا اصطبل بنی رہی۔ حضرت معاویہ سمیت تمام بنی امیہ کی قبریں کھود ڈالی گئیں۔ ہشام بن عبدالملک کی لاش قبر میں صحیح سلامت مل گئی تو اس کو کوڑوں سے پیٹا گیا۔ چند روز تک منظر عام پر لٹکائے رکھا گیا' اور پھر جلا کر راکھ اڑا دی گئی۔

بنو امیہ کا بچہ بچہ قتل کیا گیا اور ان کی تڑپتی لاشوں پر فرش بچھا کر کھانا کھایا گیا۔ بصرے میں بنی امیہ کو قتل کر کے ان کی لاشیں ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچی گئیں' اور انہیں سڑکوں پر ڈال دیا گیا' جہاں کتے انہیں بھنبھوڑتے رہے۔ یہی کچھ مکے اور مدینہ میں بھی ان کے ساتھ کیا گیا"۔ (ابوالاعلیٰ مودودی' خلافت و ملوکیت' مطبوعہ لاہور' اپریل 1980ء' ص 192-193 بحوالہ الکامل لابن الاثیر' جلد چہارم' ص 333-334-341 والبدایہ لابن کثیر' جلد 10' ص 45' و تاریخ ابن خلدون' ج 3' ص 132-133)۔

اس پس منظر میں بنو ھاشم کی طرح قریشی النسب بنو امیہ کے مخالفین اور شیعان کوفہ و عراق کے سیاسی حلیف بنوعباس کے دور خلافت (132-656ھ) میں تالیف شدہ کتب تاریخ (تاریخ طبری، م 310ھ و تواریخ مابعد) میں یزید و بنو امیہ کے ساتھ واقعہ کربلا و دیگر حوالوں سے جو "حسن سلوک" روا رکھا گیا ہوگا، اس کا اندازہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ اس کے باوجود سیدنا معاویہ و بنوامیہ اتنے سخت جان نکلے کہ ان کے حق میں موجود مثبت روایات کو سوفی صد محو نہ کیا جاسکا۔ حتیٰ کہ عصر یزیدی میں سانحہ کربلا پر یزید کے اظہار تاسف اور پسماندگان کربلا کی دمشق سے بطریق احسن مدینہ واپسی اور دست در دست یزید کی حسینی پیشکش کی روایات بھی (خواہ منفی روایات کے ہمراہ ہی سہی) صفحات تاریخ سے محو نہ کی جاسکیں۔ والفضل ماشہدت بہ الاعداء۔

پیر طریقت علامہ محمد قمرالدین سیالوی طبری، واقدی، کتاب الامامہ والسیاسہ کے مؤلف شیعہ ابن قتیبہ (مشہور عام ابن قتیبہ نہیں)، اور دیگر مؤرخین عصر عباسی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے سیدنا علی و معاویہ کے مابین قصاص عثمان کی بناء پر اختلافات کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

"واعلم ایضا-ان الروایات التی تدل علی تفصیل تلک المناقشة فاما منقول الطبری المؤرخ فهو مردود الروایة حسب تصریح کتب اسماء الرجال، وهذا ابن جریر الطبری شیعی بلاریب۔ واما ابن جریر الطبری المفسر فهو من الثقات۔

واما منقول من ابن قتیبة صاحب "الامامة والسیاسة" فهو کذاب وضاع۔ واما منقول من الواقدی المؤرخ فهو کذلک لم یرو عنه ولم یعتمد علی روایته۔

وامر متیقن بان فی روایات تلک المناقشة دخل دخیل من قبل الوضا عین الکذابین فکیف نقتض اثرهم ونخالف الامر المتیقن بان سیدنا معاویة رضی الله تعالی عنه صاحب رسول الله صلی الله تعالی علیه وآله وصحبه بلا ریب و بلاشک، وانه کاتب الوحی وانه اخ لام المؤمنین رضی الله تعالی عنها، وانه قامع فتن الیهود بالشام و العراق،

وان حکمته اخمدت نار العجم کما لا یخفی"۔

(مفتی قاری غلام احمد' انوار قمریہ' مطبوعہ لاہور' اپریل 1991ء' ص 494-495' وصیت نامہ علامہ محمد قمر الدین سیالوی)۔

ترجمہ :- اور یہ بھی جان لو کہ وہ روایات جو اس باہم اختلاف (سیدنا علی و معاویہ) پر دلالت کرتی ہیں یا تو مؤرخ طبری سے منقول ہیں جو اسماء الرجال کی کتابوں کی صراحت کے مطابق مردود الروایت ہے' اور یہ ابن جریر طبری بلاشک و شبہ شیعہ ہے۔ البتہ مفسر ابن جریر طبری) (علیحدہ اور) قابل اعتماد ہیں۔

یا پھر یہ روایات "الامامہ والسیاسہ" والے ابن قتیبہ سے منقول ہیں' جو کہ کذاب اور جھوٹی روایتیں گھڑنے والا ہے' یا پھر یہ روایات مؤرخ واقدی سے منقول ہیں اس سے بھی روایت نہیں لی جاتی اور نہ اس کی روایتوں پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

اور یہ یقینی امر ہے کہ اس باہم اختلاف و نزاع (سیدنا علی و معاویہ) کی روایات میں جعلی روایات گھڑنے والے کذابوں نے بہت کچھ اپنے پاس سے گھڑ کر داخل کر دیا ہے۔ پس ہم ان کے پیچھے چل کر کیونکر فیصلہ کر سکتے ہیں اور اس یقینی امر کے خلاف کیسے جا سکتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ کے بلا کسی شک و شبہ کے صحابی اور کاتب وحی ہیں۔ نیز ام المؤمنین (سیدہ ام حبیبہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی ہیں جنہوں نے شام و عراق میں یہود کے فتنوں کا قلع قمع کیا اور جن کی حکمت نے عجم کے آتشکدے سرد کر دیئے' جیسا کہ مخفی نہیں۔

جناب شاکر حسین نقوی شیعی اور علامہ قمر الدین سیالوی (رح) کے بیانات کی روشنی میں یہ بھی واضح رہے کہ واقعہ کربلا کے سلسلہ میں تمام مؤرخین کا انحصار ابن جریر طبری (م 310ھ) کی "تاریخ الامم والملوک" المعروف بہ تاریخ الطبری پر ہے۔ انہی سے ابن الاثیر (م 630ھ) نے "الکامل فی التاریخ" اور ابن کثیر (م 774ھ) نے "البدایہ والنھایہ" میں بکثرت روایات نقل فرمائی ہیں اور خود طبری کے غالب شیعی رجحانات ظاہر و باہر ہیں نیز طبری کا انحصار بالعموم ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی (م 157ھ) کے رسائل "مقتل ابی مخنف" وغیرہ پر ہے جنکے مختلف نسخوں میں باہم شدید اختلافات ہیں اور ابو مخنف جو واقعہ کربلا کے بعد پیدا ہوا' محدثین کے نزدیک راسخ العقیدہ شیعہ اور کذاب و ناقابل اعتبار راوی ہے۔ پھر اس کی بیان

کردہ روایات واقعہ کربلا' سیدہ زینب و ام کلثوم و سیدنا علی زین العابدین وغیرھم سے مروی نہیں' بلکہ بالعموم غیر معروف و غیر موجود راویان کی مرہون منت اور رطب و یابس کا مجموعہ ہیں۔ لہذا خلافت علوی میں اختلافات صحابہ کرام' نیز بعد ازاں واقعہ کربلا وغیرہ کے سلسلہ میں طبری نیز ابو مخنف جیسے شیعی مورخین پر انحصار نے صحابہ و تابعین کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔ لہذا اکابر امت کے نزدیک ابن خلدون (م 808ھ) کی طرح نقد تاریخ اور قرآن و سنت کے بیان کردہ مقام صحابہ و تابعین کو ملحوظ و مقدم رکھنا لازم ہے۔

حجتہ الاسلام امام ابو حامد غزالی شافعی (م 505ھ' طوس' ایران) جو آئمہ اربعہ کے بعد عظیم و معروف ترین امام اہل سنت و تصوف ہیں اور جن کی دیگر تصانیف کے علاوہ کئی جلدوں پر مشتمل "احیاء علوم الدین" علوم قرآن و سنت و تصوف و معرفت کا خزینہ اور صدیوں سے لازوال و بے مثال ہے' آج سے نو سو سال پہلے شافعی فقیہ عمادالدین الکیاہراسی کے استفتاء کے جواب میں یزید کے بارے میں تفصیلی فتوٰی دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"ویزید صح اسلامه وماصح قتله الحسین ولا امره به ولا رضی به۔ ومهما لایصح ذلک منه لایجوز ان یظن ذلک به فان اساءة الظن بالمسلم ایضا حرام۔

وقد قال الله تعالی:۔اجتنبوا کثیرا من الظن' ان بعض الظن اثم۔

وقال النبی صلی الله علیه وسلم:۔

ان الله حرم من المسلم دمه وماله وعرضه وان یظن به ظن السوء۔

ومن زعم ان یزید امر بقتل الحسین او رضی به فینبغی ان یعلم به غایة الحماقة۔ فان من قتل من الاکابر والوزراء والسلاطین فی عصره لو اراد ان یعلم حقیقته' من الذی امر بقتله ومن الذی رضی به ومن الذی کرهه لم یقدر علی ذلک ۔ وان کان الذی قد قتل فی جواره وزمانه' وهو یشاهده' فکیف لو کان فی بلد بعید و زمن قدیم قد انقضی علیه قریب من اربعمائة سنة فی مکان بعید وقد تطرق التعصب فی الواقعة فکثرت فیها الاحادیث من الجوانب۔ فهذا الامر لایعلم حقیقته اصلا۔ واذا لم

یعرف' وجب احسان الظن بکل مسلم یمکن الظن بہ۔

واما الترحم علیہ فجائز بل مستحب بل ھو داخل فی قولنا فی کل صلاۃ:۔ اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات۔ فانہ کان مؤمنا"۔

واللہ اعلم: کتبہ الغزالی"۔

(ابن خلکان' وفیات الاعیان' طبع مصر' جلد اول' ص 465)۔

ترجمہ :۔ یزید صحیح الاسلام ہے اور یہ صحیح نہیں کہ اس نے حسین کو قتل کرایا' یا اس کا حکم دیا یا اس پر رضامندی ظاہر کی۔ پس جب یہ قتل اس تک پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا تو پھر یہ جائز نہیں کہ اس کے بارے میں ایسا گمان رکھا جائے' کیونکہ کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی رکھنا بھی حرام ہے۔

اور اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: بہت زیادہ گمان کرنے سے بچا کرو' کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ مسلمان کا خون' اس کا مال' اس کی عزت و آبرو اور اس کے بارے میں بدگمانی رکھنے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

اور جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا یا اس پر راضی ہوا تو جان لینا چاہئے کہ وہ پرلے درجے کا احمق ہے' کیونکہ اکابر و وزراء و سلاطین میں سے جو لوگ بھی اپنے اپنے زمانے میں قتل ہوئے اگر ان کے بارے میں وہ یہ حقیقت جاننا چاہے کہ کس نے ان کے قتل کا حکم دیا' کون اس پر راضی ہوا اور کس نے اسے ناپسند کیا؟' تو وہ شخص اس پر ہرگز قادر نہ ہوگا۔ اگرچہ وہ قتل اس کے زمانے' اس کے پڑوس اور اس کی موجودگی میں ہوا ہو۔

تو پھر اس واقعہ کی حقیقت تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے جو ایک دور کے شہر اور قدیم زمانہ میں گزرا ہے' پس اس واقعہ کی حقیقت کا کیونکر پتہ چل سکتا ہے جس پر چار سو برس کی طویل مدت دور دراز کے مقام پر گزر چکی ہے اور صورت حال یہ ہو کہ اس واقعہ کے بارے میں تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہو۔ جس کی بنا پر اس کے بارے میں (مختلف فرقوں کی جانب سے) کثرت سے (متضاد) روایتیں مروی ہوں۔ پس یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی صحیح حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت کا پتہ نہیں چلایا جا سکتا تو پھر ہر مسلمان کے ساتھ

جہاں تک ممکن ہو حسن ظن رکھنا واجب ہے۔

اور جہاں تک اس (یزید) کو "رحمۃ اللہ علیہ" کہنے کا تعلق ہے تو یہ جائز بلکہ مستحب ہے' بلکہ وہ تو ہماری ہر نماز کے قول "اے اللہ مؤمنین و مومنات کی مغفرت فرما" میں شامل و داخل ہے' کیونکہ وہ مومن تھا۔

واللہ اعلم۔۔۔ اس فتویٰ کو غزالی نے تحریر کیا"۔

علامہ ابن کثیر دمشقی نے بھی فقیہ عمادالدین الکیا ہراسی کے اس استفتاء کے حوالہ سے امام غزالی کے فتویٰ کے بارے میں لکھا ہے:۔

"ومنع من شتمه ولعنه لانه مسلم ولم يثبت بانه رضى بقتل الحسين۔ واماالترحم عليه فجائز بل مستحب بل نحن نترحم عليه فى جملة المسلمين والمؤمنين عموما فى الصلاة"۔

(ابن كثير' البداية والنهاية' جلد 12' ص 173)۔

ترجمہ:۔ اور امام غزالی نے یزید کو برا کہنے اور لعن طعن کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلم ہے اور یہ بات ثابت نہیں کہ وہ قتل حسین پر راضی تھا۔

اور جہاں تک اسے رحمۃ اللہ علیہ کہنے (دعائے رحمت کرنے) کا تعلق ہے تو وہ جائز بلکہ مستحب ہے' بلکہ ہم تمام مومنین و مسلمینؔ کے لئے نماز میں دعائے رحمت میں اس کے لئے بھی دعائے رحمت کرتے ہیں (کیونکہ وہ مسلمانوں میں شامل ہے)۔

امام غزالی (م 505ھ) کے بعد امام ابن تیمیہ (م 728ھ) یزید کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"وكان من شبان المسلمين' ولا كان كافرا' ولا زنديقا' وتولى بعد ابيه على كراهة من بعض المسلمين ورضى من بعضهم۔ وكان فيه شجاعة وكرم' ولم يكن مظهرا' للفواحش كما يحكى عنه خصومه"۔

(ابن تيمية' الوصية الكبرى)۔

ترجمہ:۔ اور وہ (یزید) نہ تو کافر تھا نہ زندیق بلکہ مسلم نوجوانوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے والد کے بعد منصب خلافت سنبھالا جسے بعض مسلمانوں نے ناپسند کیا' جبکہ دوسروں نے اس پر رضامندی ظاہر کی۔ اس میں شجاعت و کرم کی صفات پائی جاتی تھیں اور اس میں وہ

برائیاں نہیں پائی جاتی تھیں جو اس کے دشمن اس سے منسوب کر کے بیان کرتے ہیں۔
امام ابن تیمیہ یزید و واقعہ کربلا کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

"ولم یامر بقتل الحسین ولا اظهر الفرح به ولا نکت بالقضیب علی ثنایاه ولا حمل راس الحسین الی الشام لکن امر بمنع الحسین بدفعه عن الامر ولو کان بقتاله"۔(ابن تیمیة' الوصیة الکبری)۔

ترجمہ:۔ نہ تو اس (یزید) نے قتل حسین کا حکم دیا اور نہ اس پر خوشی ظاہر کی۔ نہ ہی اس نے ان کے (کٹے ہوئے سر کے) دانتوں پر چھڑی لگائی اور نہ ہی حسین کا سر شام لیجایا گیا۔ البتہ اس نے حسین کو (کوفہ میں داخلہ سے) روکنے کا حکم دیا تھا' چاہے اس کے لئے ان سے لڑنا ہی پڑے۔

مگر بقول ابن تیمیہ سیدنا حسین نے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی پیشکش کر کے اقدام خروج واپس لے لیا تھا اور یزید کو خبر کئے بغیر ابن زیاد نے بلاجواز و بلا حکم یزید نیز ابن سعد کے مشورہ کے برعکس پہلے اپنی بیعت کی شرط رکھ کر سیدنا حسین کے خلاف جو کارروائی کی' اس کے نتیجے میں حفظ جان و مال و اھل و عیال کی خاطر سیدنا حسین کا قتال میں مقتول ہونا شرعاً شہادت ہے۔ بہرحال سر حسین شام نہ لے جائے جانے کے ثبوت کے طور پر ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

"وقد روی باسناد مجهول انه کان هذا قدام یزید' وان الراس حمل الیه' وانه هوالذی نکت علی ثنایاه۔ وهذا مع انه لم یثبت ففی الحدیث مایدل علی انه کذب۔ فان الذین حضروا نکته بالقضیب من الصحابة لم یکونوا بالشام وانما کانوا بالعراق"۔

(ابن تیمیة' منهاج السنة' ج 2' ص 321' الخ)۔

ترجمہ:۔ اور مجہول سندوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ یہ سر (حسین) کا لانا یزید کے سامنے ہوا اور اسی نے سر کے دانتوں پر چھڑی لگائی' مگر یہ نہ صرف ثابت نہیں بلکہ اس روایت میں اس کے جھوٹا ہونے کی دلیل موجود ہے کیونکہ جن صحابہ کے سامنے (روایت کے مطابق) اس نے چھڑی لگائی' وہ شام کے بجائے عراق میں رہتے تھے۔

ابن تیمیہ اپنے رسالہ "راس الحسین" میں لکھتے ہیں:۔

فمن نقل انه نکت بالقضیب ثنایاہ بحضرۃ انس وابی برزۃ قدام یزید فھو کاذب کذبا معلوما بالنقل المتواتر"۔

(ابن تیمیۃ' راس الحسین' ص ۱۱)۔

ترجمہ :۔ پس جس نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت حسین کے سر کے دانتوں کو چھڑی کی نوک سے چھوا گیا جب کہ حضرت انس (بن مالک) اور ابی برزہ (اسلمی) بھی یزید کے سامنے موجود تھے تو وہ ایسا کذاب ہے جس کا جھوٹ نقل متواتر سے معلوم ہے۔

بیعت یزید و واقعہ کربلا کے حوالہ سے زیادہ تر شیعی مصادر سے ماخوذ مذکورہ سابقہ روایات و تفاصیل کے علاوہ کتب حدیث میں مروی وہ تین احادیث بھی قابل مطالعہ ہیں جن سے یزید کی مغفرت و خلافت و تابعیت ثابت شدہ ہے' مگر اہل تشیع سے قطع نظر خود اکابر اہل سنت کا ایک طبقہ ان احادیث کی ایسی تاویل و تشریح کو ترجیح دیتا ہے جس سے یزید ان کا مصداق قرار نہ پاسکے۔

ا۔ سیدہ ام حرام بنت ملحان' زوجہ سیدنا عبادہ بن صامت روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاں قیلولہ فرمایا اور نیند سے بیدار ہو کر یکے بعد دیگرے فرمایا۔

"اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا....."

"اول جیش من امتی یغزون مدینہ قیصر مغفور لھم"۔

(صحیح البخاری' کتاب الجھاد' باب ماقیل فی قتال الروم)۔

ترجمہ :۔ میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا' اس کے لئے مغفرت واجب ہے....

اور میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا وہ سب مغفرت یافتہ ہیں۔

ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فتح الباری' شرح البخاری میں لکھتے ہیں:۔

"قال المھلب: فی ھذا الحدیث منقبۃ لمعاویۃ لانہ اول من غزا البحر۔ ومنقبۃ لولدہ لانہ اول من غزا مدینۃ قیصر"۔

(حاشیۃ صحیح البخاری' جلد اول' ص ۹۵)۔

ترجمہ :۔ مہلب کا قول ہے کہ :۔ اس حدیث میں حضرت معاویہ کی تعریف ہے کیونکہ انہوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا۔

اور اس میں ان کے بیٹے (یزید) کی تعریف ہے کیونکہ سب سے پہلے اسی نے شہر قیصر پر حملہ کیا۔

شارح بخاری علامہ قسطلانی قسطنطنیہ کو "مدینہ قیصر" یعنی شہر قیصر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"كان اول من غزا مدينة قيصر يزيد بن معاوية و معه جماعة من سادات الصحابة كابن عمر وابن عباس و ابن الزبير وابى ايوب الانصارى (رضى الله عنهم)۔

(صحيح البخارى' ج1' ص 410' اصح المطابع' دہلی' 1357ھ)۔

ترجمہ:۔ جس نے سب سے پہلے شہر قیصر پر حملہ کیا' وہ یزید بن معاویہ تھا' جس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی۔ مثلاً ابن عمر و ابن عباس و ابن زبیر و ابو ایوب انصاری (رضی اللہ عنہم)۔

امام ابن تیمیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"واول جيش غزاها (اى قسطنطينية) كان اميرهم يزيد۔ والجيش عدد معين لا مطلق' وشمول المغفرة لاحاد هذا الجيش اقوى' ويقال ان يزيد انما غزا القسطنطينية لاجل هذا الحديث"

(ابن تيمية' منهاج السنة' ج2' ص 252)۔

ترجمہ:۔ اور پہلا لشکر جس نے اس شہر (یعنی قسطنطنیہ) پر حملہ کیا اس کا امیر یزید تھا۔ اور جیش ایک مقررہ تعداد کو کہتے ہیں' غیر معین کو نہیں' اور مغفرت میں اس لشکر کے ہر ہر فرد کا شامل ہونا قوی تر ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یزید نے محض اس حدیث کی وجہ سے قسطنطنیہ پر حملہ و جہاد کیا۔

2۔ وعن جابر بن سمرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:۔ لايزال الاسلام عزيزا۔ الى اثنى عشر خليفة كلهم من قريش۔

وفى رواية:۔ لايزال امر الناس ماضيا۔ ماوليهم اثنا عشر رجلا۔ كلهم من قريش۔

وفى رواية:۔ لايزال الدين قائما۔ حتى تقوم الساعة اويكون عليهم

اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش۔

(متفق علیہ' مشکاۃ المصابیح' باب مناقب قریش)۔

ترجمہ :۔ جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ: اسلام بارہ خلفاء تک غالب و باعزت رہے گا جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

ایک اور روایت کے مطابق:۔ لوگوں کا معاملہ چلتا رہے گا' جب تک ان پر بارہ شخص والی و حاکم رہیں گے جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

ایک اور روایت کے مطابق:۔ دین قائم و دائم رہے گا' یہاں تک کہ قیامت برپا ہو یا (بروایت) جب تک ان پر بارہ خلفاء رہیں گے جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

صحیح بخاری و مسلم' مستدرک حاکم و طبرانی و دیگر کتب حدیث میں مختلف راویان سے مروی اس حدیث کی تشریح میں علامہ علی بن سلطان المعروف بہ ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔

"فالاثنی عشر ھم الخلفاء الراشدون' ومعاویۃ وابنہ یزید' وعبدالملک بن مروان' و اولادہ الاربعۃ' وبینھم عمر بن عبدالعزیز"۔

(ملا علی قاری' شرح الفقہ الاکبر' طبع مجتبائی' ص 84)۔

ترجمہ :۔ پس بارہ خلفاء سے مراد ہے۔ (چار) خلفائے راشدین' حضرت معاویہ' ان کا بیٹا یزید' عبدالملک بن مروان اور اس کے چار بیٹے۔ نیز ان کے درمیان عمر بن عبدالعزیز بھی ہیں۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ سید سلیمان ندوی' قاضی عیاض مالکی کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

"علمائے اہل سنت میں سے قاضی عیاض اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی' اور وہ متقی تھے۔

حافظ ابن حجر' ابوداؤد کے الفاظ کی بناء پر خلفائے راشدین اور بنو امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں' جن کی خلافت پر تمام امت کا اجتماع رہا۔ یعنی حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' امیر معاویہ' یزید' عبدالملک' ولید' سلیمان' عمر بن عبدالعزیز' یزید ثانی' ہشام"۔ (علامہ سید سلیمان ندوی' سیرۃ النبی' جلد 3' ص 604)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے شوہر اور یزید کے پھوپھا ہیں بلکہ صحابی زادہ ہونے اور عصر صحابہ سے تعلق کی بناء پر یزید طبقہ تابعین میں شامل قرار پاتا ہے۔ اس حوالہ سے درج ذیل حدیث نبوی کی تشریح میں بعض شارحین نے اسے قرن اول میں بھی شمار کیا ہے۔

3۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم"۔

(صحیح البخاری، کتاب الشهادة و صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة)۔

ترجمہ:۔ سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ (صحابہ) ہیں پھر وہ جو ان سے متصل ہیں (تابعین) پھر وہ جو ان کے متصلاً بعد ہیں۔ (تبع التابعین)۔

علامہ زرارہ بن اوفی اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

"القرن عشرون ومائة سنة، فبعث رسول الله فی قرن، وكان آخره موت یزید بن معاویة"۔

(طبقات ابن سعد، ج ا، ص 290، والبدایة والنهایة لابن کثیر، ج 8، ص 229)۔

ترجمہ:۔ قرن ایک سو بیس سال تک شمار ہوتا ہے، پس رسول اللہ (ص) جس قرن میں مبعوث فرمائیں گے اس کا آخری زمانہ یزید بن معاویہ کی وفات تک ہے۔

یزید کی مغفرت و خلافت و تابعیت کے حوالہ سے ماضی و حال و مستقبل کا علم رکھنے والے عالم الغیب و رب کائنات کے آخری پیغمبر (ص) کی یہ تینوں احادیث، اکابر اہل سنت کے نزدیک بڑی قوی اور مستند ہیں اور امام غزالی مؤلف احیاء علوم الدین (م 505ھ) قاضی ابوبکر بن العربی مؤلف "العواصم من القواصم" (م 546ھ) شیخ عبدالمغیث حربی حنبلی مؤلف کتاب "فضل یزید" (م 583ھ)، امام ابن تیمیہ مؤلف منہاج السنہ وغیرہ (م 728ھ) جیسے اکابر اہل سنت یزید کے بارے میں مثبت آراء و افکار کے حامل ہیں اور ان سب سے متقدم عالم و صوفی سیدنا بایزید بسطامی (طیفور بن عیسیٰ بن سروشان) م 261/264ھ نے اپنی کنیت ابویزید

رکھی۔ مگر ان تمام دلائل و شواہد کے باوجود علمائے اہل سنت کا ایک اہم طبقہ ان احادیث کی تشریح کرتے ہوئے یزید کو واقعہ کربلا کے حوالہ سے قسطنطنیہ والی حدیث مغفرت سے خارج قرار دیتا ہے اور بارہ قریشی خلفاء کو بھی بالترتیب کی بجائے یزید کو خارج کرکے بلا ترتیب مراد لیتا ہے۔ یا یزید سمیت بارہ خلفاء کے دور میں اسلام کی شان و شوکت کے اعتراف کے باوجود سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن رضی اللہ عنہم پر تیس سالہ خلافت راشدہ کو ختم قرار دیتا ہے' جبکہ اس حدیث کی رو سے متعدد اکابر امت کے نزدیک خلافت خاصہ کا اختتام تیس سال کے بعد ہے' (الخلافہ من بعدی ثلاثون سنہ) مطلقاً" اختتام خلافت مراد نہیں (فیض احمد' ملفوظات مہریہ' ص 113)۔ اور خلافت خاصہ کے بعد آیت: اولئک ھم الراشدون۔ (یعنی صحابہ سب کے سب راشد وہدایت یافتہ ہیں) کی رو سے سیدنا معاویہ (م 60ھ) بھی بطور صحابی خلیفہ راشد ہیں' مگر ان کو راشد تسلیم کرنے کی بجائے تیس سال کے بعد خلافت راشدہ کو ختم قرار دینے والے ان کے نصف صدی بعد خلیفہ بننے والے غیر صحابی عمر بن عبدالعزیز (م 101ھ) کو چھٹا خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں۔ نیز بلحاظ زمانہ یزید کے تابعی و صحابی زادہ ہونے کے باوجود واقعہ کربلا وغیرہ کے حوالہ سے اسے موردالزام ٹھہراتے ہیں' جواز لعن یزید کے قائل ان اکابر اہل سنت میں قاضی ابو یعلی حنبلی (م 458ھ)' ابن الجوزی حنبلی (م 596ھ)' سعدالدین تفتازانی (م تقریباً" 791ھ) اور جلال الدین سیوطی شافعی (م 911ھ) نمایاں تر ہیں' جبکہ امام ابن تیمیہ اپنے جد امجد مشہور محدث و عالم ابو عبداللہ ابن تیمیہ (م 630ھ) کا یہ قول نقل کرتے ہیں:۔

"وبلغنی ایضا" ان جدنا ابا عبدالله ابن تیمیة سئل عن یزید فقال:- لاتنقص ولاتزید۔ وهذا اعدل الاقوال فیه و فی امثاله واحسنها"۔

(فتاوی ابن تیمیة' ج 4' ص 483)۔

ترجمہ:۔ اور مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ ہمارے جد امجد ابو عبداللہ ابن تیمیہ سے یزید کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ (اس کا مقام) نہ گھٹاؤ اور نہ بڑھاؤ۔

اور یہ (میرے نزدیک) یزید اور ان جیسے دوسرے حضرات کے بارے میں سب سے بہتر اور معتدل و متوازن قول ہے۔

پیر طریقت سید مہر علی شاہ گولڑوی چشتی (م 1356ھ/ 1937ء) ایک سوال کے جواب میں

جواز و عدم جواز لعن یزید کے سلسلہ میں اختلاف علماء کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔
"بعض اہل علم نے اس میں تامل کیا ہے اور کہا ہے کہ آخرت کا حال معلوم نہیں ممکن ہے یزید نے توبہ کی ہو۔
علامہ تفتازانی نے اس کے رد میں کیا خوب فرمایا ہے کہ قتل ذریت طیبہ اور اہانت بطور یقین امر مشہود ہے اور توبہ امر محتمل۔ پس احتمال و ظن یقین سے کیا نسبت رکھتے ہیں؟ اور بہت سے دوسرے محققین بھی لعن کا جواز ثابت کرتے ہیں۔
"ہاں جواز اور لزوم میں فرق ہے۔ لعن کو عادت بنانا ضروری اور لازم نہیں۔ بہتر ہے بحکم فرمودہ حق تعالیٰ "فلعنۃ اللہ علی الظالمین" پر کفایت کی جائے۔ بجائے لعن کے اللہ اللہ کرنا اولین و آخرین کے حق میں بہتر کام ہے"۔
(فیض احمد 'ملفوظات مہریہ' پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور' بار دوم' جولائی 74ء ص 124)
مگر علامہ سعد الدین تفتازانی (م تقریباً 791ھ) سے پہلے امام غزالی (م 505ھ) اور امام ابن تیمیہ (م 728ھ) جیسے اکابر اہل سنت نہ تو یزید کو قتل و توہین اولاد سیدہ فاطمہ کا مرتکب قرار دیتے ہیں اور نہ ہی یزید کو قابل لعن سمجھتے ہیں' بلکہ ملا علی قاری حنفی (م 1014ھ) جیسے اکابر اہل سنت کا قول ہے کہ علامہ تفتازانی میں رافضیت کی بو ہے۔(فیہ رائحۃ من الرفض)۔ لہذا علامہ تفتازانی کے تمام تر احترام کے باوجود ان کی نسبت پیر سید مہر علی شاہ (رح) کی رائے اعلیٰ و ارفع ہے جس کے مطابق لعن کے بجائے اللہ اللہ کرنا اولین و آخرین کے حق میں بہتر قرار دیا گیا ہے۔
برصغیر کے جلیل القدر عالم و مصنف مولانا رشید احمد گنگوہی (م 1905ء) یزید کے بارے میں اختلاف علماء کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔
"حدیث صحیح ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے' اگر وہ شخص قابل لعن کا ہے تو لعن اس پر پڑتی ہے ورنہ لعنت کرنے والے پر رجوع کرتی ہے' پس جب تک کسی کا کفر پر مرنا محقق نہ ہو جائے اس پر لعنت کرنا نہیں چاہئے کہ اپنے اوپر عود لعنت کا اندیشہ ہے' لہذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہرچند موجب لعن کے ہیں مگر جس کو محقق اخبار اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی و خوش تھا اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدون توبہ کے مرگیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یوں ہی ہے۔ اور جو علماء اس میں

تردد رکھتے ہیں کہ اول میں وہ مومن تھا اس کے بعد ان افعال کا وہ مستحق تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا، تحقیق نہیں ہوا، پس بدون تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں۔ لہٰذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعن سے منع کرتے ہیں اور یہ مسئلہ بھی حق ہے۔ پس جواز لعن اور عدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے، اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے، کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت، نہ مستحب، محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم"

(فتاویٰ رشیدیہ، کتاب ایمان اور کفر کے مسائل، ص 349 تا 350)۔

اس حوالہ سے مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی لکھتے ہیں:۔

"خود ہمارے ہی بزرگوں میں "حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے یزید ہی کے معاملے میں سوال کیا گیا کہ کچھ علماء لعنت جائز رکھتے ہیں اور کچھ منع کرتے ہیں۔ آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے اس اختلاف کے پیچھے تاریخی روایات کے رد و قبول میں علماء کے اختلاف کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

پس جواز لعن و عدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے۔

یعنی جس کے نزدیک یزید سے ایسے افعال ثابت ہیں کہ ان کی وجہ سے لعنت جائز ہو، وہ جواز کا فیصلہ کرتے ہیں جن کے نزدیک ثبوت نہیں ہے، وہ منع کرتے ہیں۔

الغرض یہ لعنت و عدم لعنت کا معاملہ ہو یا فسق و فجور کا اس میں کسی کو کسی کی رائے کا پابند نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ متضاد روایتوں کی وجہ سے تاریخی ثبوت میں راویوں کا اختلاف ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی اگر ایمانداری سے اس بات پر مطمئن ہے کہ فلاں شخص کے بارے میں فاسقانہ اعمال کی روایتیں صحیح نہیں ہیں یا قوی نہیں ہیں تو اس کے لئے بظاہر شرعاً بھی گنجائش نہیں کہ وہ محض اپنے بزرگوں یا دوسرے اکابر علماء کی پیروی میں اس شخص کے فسق و فجور کا قائل ہو جائے"۔

(اقتباس از مقالہ مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، بعنوان "یہ ملامت زہے نصیب" مطبوعہ "الفرقان" لکھنؤ، نومبر دسمبر 1992ء، و راجع واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، بیسون پبلی کیشنز، ملتان حصہ دوم، ص 464)۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (م 1979ء) جواز و عدم جواز لعن یزید کے قائلین کے نام لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

"میرا اپنا میلان اس طرف ہے کہ صفات ملعونہ کے حاملین پر جامع طریقہ سے تو لعنت کی جاسکتی ہے (مثلاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ظالموں پر خدا کی لعنت) مگر کسی شخص خاص پر متعین طریقہ سے لعنت کرنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ زندہ ہو تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بعد میں توبہ کی توفیق عطاء فرمادے۔ اور اگر مرچکا ہو تو ہم نہیں جانتے کہ اس کا خاتمہ کس چیز پر ہوا ہے۔ اس لئے ہمیں ایسے لوگوں کے غلط کاموں کو غلط کہنے پر اکتفا کرنا چاہئے اور لعنت سے پرہیز ہی کرنا اولیٰ ہے"۔

ابوالاعلیٰ مودودی' خلافت و ملوکیت' ص 183' حاشیہ 46' لاہور' ادارہ ترجمان القرآن' اپریل 1980ء)۔

جواز و عدم جواز لعن یزید کے حوالہ سے مختلف اقوال و آراء کو دیکھتے ہوئے بہت سے اکابر اہلسنّت کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص جواز لعن کا قائل ہو تو اسے درج ذیل طریقے پر بغیر نام لئے لعنت بھیجنا چاہئے تاکہ صحابہ دشمن فرقوں سے مشابہت سے بچا جاسکے:۔

لعنة الله على قاتل عمر و عثمان و طلحة والزبير وعلى والحسين'

لعنة الله على الظالمين' اعداء الصحابة واهل البيت اجمعين۔

حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی یزید کے حوالہ سے مختلف احادیث و روایات کا جائزہ لیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں بڑی متوازن اور قیمتی تفصیلات درج فرماتے ہیں:۔

"سوال: یزید کو لعنت بھیجنا چاہئے یا نہیں' اگر بھیجنا چاہئے تو کس وجہ سے' اور اگر نہ بھیجنا چاہئے تو کس وجہ سے؟ بینوا توجروا۔

جواب: یزید کے بارے میں علماء قدیماً و حدیثاً مختلف رہے ہیں بعض نے تو اس کو مغفور کہا ہے' بدلیل حدیث صحیح بخاری:۔

ثم قال النبى صلى الله عليه وسلم:۔ اول جيش من امتى يغزون مدينة قيصر مغفور لهم (مختصرا۔من حديث طويل برواية ام حرام)۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں پہلا وہ لشکر جو مدینہ

قیصر (روم) پر لشکر کشی کرے گا' بخشا ہوا ہوگا۔

(یہ حضرت ام حرام کی روایت کردہ طویل حدیث کا اختصار ہے)۔

قال القسطلانی:۔ کان اول من غزا مدینة قیصر یزید بن معاویة و معه جماعة من سادات الصحابة کا بن عمر وابن عباس وابن الزبیر وابی ایوب الانصاری' وتوفی بها ابو ایوب سنة اثنتین و خمسین من الھجرة۔ کذا قاله فی خیر الجاری۔

چنانچہ قسطلانی (شارح بخاری) فرماتے ہیں کہ مدینہ قیصر پر پہلا لشکر کشی کرنے والا یزید بن معاویہ ہے اور اس کے ساتھ کبار صحابہ کی جماعت تھی جیسے ابن عمر' ابن عباس' ابن زبیر اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنھم۔ اور حضرت ابو ایوب انصاری کا تو اسی مقام پر 52ھ میں وصال ہوا۔

اسی طرح "خیر جاری" میں ہے۔

وفی الفتح قال المھلب:۔ فی ھذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر و منقبة لولده لانه اول من غزا مدینة قیصر۔

اور فتح الباری میں ہے:۔ مھلب کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت معاویہ (رض) کی منقبت ہے' کیونکہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے بحری جنگ کی' اور ان کے بیٹے کی بھی منقبت ہے اس لئے کہ وہی ہے جس نے پہلے پہل مدینہ قیصر پر لشکر کشی کی۔

اور بعضوں نے اس کو ملعون لکھا ہے۔ (لقوله تعالیٰ) کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم الله فاصمھم واعمیٰ ابصارھم (الآیة)۔

پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی قرابتیں' یہ ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کردیا ان کو بہرا اور اندھی کردیں ان کی آنکھیں۔ (پارہ 26 سورہ محمد' آیت 23)۔

فی التفسیر المظھری:۔ قال ابن الجوزی انه روی القاضی ابو یعلی فی کتابه (معتمد الاصول) بسنده عن صالح بن احمد بن حنبل انه قال قلت لابی یا ابت یزعم بعض الناس انا نحب یزید بن معاویة فقال احمد یا بنی

هل يسوغ لمن یؤمن باللہ ان یحب یزید؟ ولم لا یلعن رجل لعنه الله فی کتابه؟ قلت یا ابت این لعن الله یزید فی کتابه قال حیث قال فهل عسیتم۔ الآیۃ۔ اھ۔

چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے کہ ابن جوزی(رح) نے فرمایا کہ قاضی ابو علی نے اپنی کتاب "معتمد الاصول" میں اپنی سند کے ساتھ جو صالح بن احمد حنبل سے ہے' روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ ابا جان بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت کرتے ہیں' امام احمد نے فرمایا کہ بیٹے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ یزید بن معاویہ سے دوستی رکھے؟ اور ایسے شخص پر کیونکہ لعنت نہ کی جائے جس پر خود حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت فرمائی ہے' میں نے کہا ابا جان! اللہ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت کی ہے۔ فرمایا اس موقع پر جہاں یہ ارشاد ہے۔ فهل عسیتم الخ۔

مگر تحقیق یہ ہے کہ چونکہ معنی لعنت کے ہیں۔ اللہ کی رحمت سے دور ہونا اور یہ ایک امر غیبی ہے' جب کہ شارع بیان نہ فرمائے کہ فلاں قسم کے لوگ یا فلاں شخص خدا کی رحمت سے دور ہے' کیونکر معلوم ہو سکتا ہے؟ اور تتبع کلام شارع سے معلوم ہوا' نوع ظالمین و قاتلین پر تو لعنت وارد ہوئی ہے کما قال تعالیٰ:۔

الا لعنة الله علی الظالمین۔ (ھود' پ ۱۲)۔ سن لو پھٹکار ہے اللہ کی ناانصاف لوگوں پر۔

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزائه جهنم خالدا فیها و غضب الله علیه ولعنه واعدله عذابا عظیما۔ (النساء' پ ۵)۔

(اور فرمایا) جو کوئی قتل کرے کسی مسلمان کو جان کر اس کی سزا دوزخ ہے' پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔

پس اس کی تو ہم کو بھی اجازت ہے' اور یہ علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کون نوع میں داخل ہے اور کون خارج؟ اور خاص یزید کے باب میں کوئی اجازت منصوصہ ہی نہیں' پس بلا دلیل اگر دعویٰ کریں کہ وہ خدا کی رحمت سے دور ہے' اس میں خطر عظیم ہے۔ البتہ اگر نص

ہوتی تو مثل فرعون' ہامان وقارون و غیرہم کے لعنت جائز ہوتی' واذلیس فلیس (جب نص نہیں تو لعنت نہیں) اگر کوئی کہے کہ جیسے کسی شخص معین کا ملعون ہونا معلوم نہیں تو کسی خاص شخص کا مرحوم ہونا بھی تو معلوم نہیں' پس صلحاء مظلومین کے واسطے رحمتہ اللہ علیہ کہنا کیسے جائز ہوگا کہ یہ بھی اخبار عن الغیب بلادلیل ہے۔

جواب یہ ہے کہ رحمتہ اللہ علیہ سے اخبار مقصود نہیں بلکہ دعا مقصود ہے اور دعا کا مسلمانوں کے لئے حکم ہے۔ اور لعن اللہ میں یہ نہیں کہہ سکتے' اس واسطے کہ وہ بددعا ہے اور اس کی اجازت نہیں۔ فافہم۔

اور آیت مذکورہ میں نوع مفسدین و قاطعین پر لعنت آئی ہے' اس سے لعن یزید پر کیسے استدلال ہوسکتا ہے' اور امام احمد بن حنبل نے جو استدلال فرمایا ہے اس میں تاویل کی جائے گی' یعنی ان کان منھم (اگر یزید ان میں سے ہو) یا مثل اس کے لحسن الظن بالمجتہد۔ البتہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قاتل و آمر و راضی بقتل حسین پر' وہ لعنت بھی مطلق نہیں بلکہ ایک قید کے ساتھ یعنی اگر بلا توبہ مرا ہو۔ اس لئے کہ ممکن ہے ان سب لوگوں کا قصور قیامت میں معاف ہوجائے' کیونکہ ان لوگوں نے کچھ حقوق اللہ تعالیٰ کے ضائع کئے اور کچھ ان بندگان مقبول کے۔ اللہ تعالیٰ تو تواب اور رحیم ہے ہی' یہ لوگ بھی بڑے اہل ہمت اور اولوالعزم تھے' کیا عجب کہ بالکل معاف کردیں بقول مشہور ع "صد شکر کہ ہستم میان دو کریم" پس جب یہ احتمال قائم ہے تو ایک خطر عظیم میں پڑھنا کیا ضرور؟ اھ۔

اسی طرح اس کو مغفور کہنا بھی سخت نادانی ہے'
کیوں کہ اس میں بھی کوئی نص صریح نہیں۔

رہا استدلال حدیث مذکور سے تو وہ بالکل ضعیف ہے' کیونکہ وہ مشروط ہے بشرط وفات علی الایمان کے ساتھ اور وہ امر مجہول ہے۔ چنانچہ قسطلانی میں بعد نقل قول مہلب کے لکھا ہے:۔

وتعقبه ابن التين وابن المنير بما حاصله انه لايلزم من دخوله في ذلك العموم ان لا يخرج بدليل خاص اذلا يختلف اهل العلم ان قوله عليه السلام مغفور لهم مشروط بان يكونوا من اهل المغفرة حتى لوارتد واحد ممن غزاها بعد ذلك لم يدخل في ذلك العموم اتفاقا۔ فدل على

ان المراد مغفور لهم لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم۔

(حاشیه بخاری ج۱، ص ۴۱۵ مطبوعه احمدی)۔

اور ابن التین اور ابن المنیر نے مہلب کے بیان پر اعتراض کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی خاص دلیل کی بناء پر وہ اس عموم سے خارج نہ ہو۔ اب اہل علم کا اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ حدیث پاک میں جو مغفرت کا وعدہ ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ لوگ مغفرت کے اہل بھی ہوں، چنانچہ ظاہر ہے کہ اس غزوہ میں شریک ہونے والا اگر کوئی شخص اس کے بعد مرتد ہوگیا تو وہ بالاتفاق اس مغفرت کے عموم میں داخل نہ ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ مغفرت کی شرط موجود ہو (اور جس میں یہ شرط مفقود ہو وہ اس مغفرت میں داخل نہ ہوگا)۔

پس توسط اس میں یہ ہے کہ اس کے حال کو مفوض بعلم الٰہی کرے اور خود اپنی زبان سے کچھ نہ کہے لان فیہ خطرا" (کیونکہ اس میں خطرہ ہے)۔ اور کوئی اس کی نسبت کچھ کہے تو اس سے کچھ تعرض نہ کرے لان فیہ نصرا" (کیونکہ اس میں یزید کی حمایت ہے)۔ اس واسطے خلاصہ میں لکھا ہے:۔

انه لا ینبغی اللعن علیه ولا علی الحجاج لان النبی علیه السلام نهی عن لعن المصلین ومن کان من اهل القبلة، وما نقل من النبی علیه السلام من اللعن لبعض من اهل القبلة فلما انه یعلم من احوال الناس مالا یعلمه غیره۔اھ

یزید اور حجاج پر لعنت مناسب نہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے نمازیوں اور اہل قبلہ پر لعن کرنے سے روکا ہے، اور جو نبی علیہ السلام سے بعض اہل قبلہ پر لعن منقول ہے وہ تو محض اس وجہ سے ہے کہ آپ لوگوں کے حالات کے ایسے جاننے والے تھے جو دوسرے نہیں جانتے۔ اھ

اور احیاء العلوم ج ثالث باب آفۃ اللسان ثامنہ میں لعنت کی خوب تحقیق لکھی ہے۔ خوف تطویل سے عبارت نقل نہیں کی گئی۔ من شاء فلیراجع الیہ۔

اللهم ارحمنا ومن مات ومن یموت علی الایمان،

واحفظنا من آفات القلب واللسان یارحیم یارحمن

(امداد الفتاوی جلد خامس ص 425 تا 427 وراجع ایضا" یزید اکابر علماء اہل سنت دیوبند کی نظر میں' ترتیب و حواشی قاری محمد ضیاء الحق' ص 18-20' مکتبہ اہل سنت و جماعت' کراچی' 1993ء)۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (م 1943ء) کے تفصیلی جواب میں قاضی ابو یعلی حنبلی (م 458ھ) کی صالح بن احمد بن حنبل سے روایت بہت سے علماء کے نزدیک نہ صرف منقطع قرار دی جاتی ہے' بلکہ اس کے علاوہ امام غزالی (م 505ھ) کے شاگرد خاص ابوبکر ابن العربی (م 546ھ) نے "العواصم من القواصم" میں یہ تذکرہ کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل (م 241 ھ) نے اپنی "کتاب الزھد" میں یزید کو بھی زاہد و متقی حضرات تابعین میں شمار کیا تھا۔ بعدازاں کتاب "الزھد سے نہ صرف یہ تذکرہ نکال دیا گیا اور منقصت یزید کی روایات کا اضافہ کرنے کی کوشش کی گئی' بلکہ قاضی ابو یعلی کی منقطع روایت کو امام احمد کی جانب سے مخالفت یزید کے حق میں بطور سند پیش کیا جانے لگا۔ جسے علماء کی معتدبہ تعداد معتبر و مستند نہیں جانتی' بلکہ قاضی ابوبکر ابن العربی جیسے عالم و فقیہ و مؤرخ کی شہادت کی بناء پر امام احمد کے نزدیک یزید کے زاہد و متقی ہونے کی قائل ہے اور مولانا تھانوی نے بھی امام احمد کے مبینہ قول کی مثبت تاویل فرمائی ہے۔ ابن العربی لکھتے ہیں:۔

"وھذا یدل علی عظیم منزلتہ (ای یزید) عندہ حتی یدخلہ فی جملۃ الزھاد من الصحابۃ والتابعین الذین یقتدی بقولھم و یرعوی من وعظھم۔ نعم و ما ادخلہ الا فی جملۃ الصحابۃ قبل ان یخرج الی ذکر التابعین' فاین ھذا من ذکر المؤرخین لہ فی الخمر وانواع الفجور؟ الاتستحیون؟"

"القاضی ابوبکر ابن العربی' العواصم من القواصم' ص 233)۔

ترجمہ:۔ اور یہ ان (امام احمد) کے نزدیک یزید کی عظیم قدر و منزلت کی دلیل ہے' حتیٰ کہ انہوں نے اسے ان صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے' جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے اور جن کے مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے' اور ہاں انہوں نے تابعین کے تذکرے سے قبل ہی صحابہ کے زمرہ کے ساتھ ہی ان کو شامل کیا ہے' پس کہاں یہ مقام اور کہاں شراب اور طرح طرح کے فسق و فجور کے الزامات' کیا ان (مؤرخین) کو شرم نہیں

آتی؟۔

مولانا مودودی، امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد کی لعن یزید کے حق میں "فھل عسیتم...... لعنھم اللہ" (محمد: 22۔23) سے استدلال (بحوالہ "الصواعق المحرقہ" لابن حجر الہیثمی و "الاشاعہ فی اشراط الساعہ" لمحمد بن عبدالرسول البرزنجی) نقل کرنے کے بعد امام احمد ہی کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"مگر علامہ سفارینی اور امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ زیادہ معتبر روایات کی رو سے امام احمد یزید پر لعنت کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے"۔

(ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، ص 183، حاشیہ 46)۔

پس اگر لعن یزید امام احمد کے نزدیک قرآن مجید سے ثابت ہے تو اس کے بعد اسے ناپسند کرنا چہ معنی دارد؟

امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے حمایت و مخالفت یزید کے سلسلہ میں قاضی ابو یعلی (م 458ھ) و قاضی ابوبکر ابن العربی (م 546ھ) سے مروی مذکورہ دو مختلف و متضاد روایتوں کے علاوہ اموی خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز (م 101ھ) کے بارے میں بھی دو مختلف و متضاد روایتیں مروی ہیں:۔

1۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مجلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے یزید کا ذکر کرتے ہوئے "امیر المومنین یزید" کے الفاظ استعمال کئے تو سخت ناراض ہو کر انہوں نے فرمایا:۔ تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے؟ اور اسے بیس کوڑے لگوائے۔

(ابن حجر، تہذیب التہذیب، ج 11، ص 361)۔

2۔ ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن شوزب کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہ پر "رحمتہ اللہ علیہ" کہتے ہوئے سنا ہے"۔ (ابن حجر، لسان المیزان، ج 6، ص 294)۔

بہرحال ان ہر دو دو مختلف و متضاد روایات کی موجودگی میں کم از کم مذکورہ منفی روایات کو مثبت روایات پر ترجیح دینے کا کوئی تاریخی و اخلاقی جواز فراہم کرنا مشکل ہے۔

علاوہ ازیں صحیح بخاری، کتاب الجہاد کی حدیث مغفرت یزید و جملہ مجاہدین قسطنطنیہ کے برخلاف مذمت یزید میں بھی بعض احادیث بڑی شدومد سے پیش کی جاتی ہے۔ مثلاً:۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم :۔ من اخاف اہل المدینۃ اخافہ اللہ و علیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین۔ رواہ مسلم۔

ترجمہ :۔ جس نے اہل مدینہ پر ظلم کیا اور انہیں خوفزدہ کیا' اس پر اللہ' اس کے فرشتوں اور پوری نوع بشری کی لعنت ہوگی۔

مگر یزید کا دفاع کرنے والے علماء و محققین کا کہنا ہے کہ مسلم و طبرانی وغیرہ کی اس قسم کی احادیث بخاری والی روایت کے برعکس عمومی ہیں۔ واقعہ حرہ کے حوالہ سے انہیں یزید پر منطبق کرنا غلط ہے' کیونکہ اگر لشکر یزید' باغیان مدینہ کے خلاف صحابی رسول مسلم بن عقبہ کی زیر قیادت کاروائی میں حق بجانب نہ ہوتا تو تمام آل عبدالمطلب و ابو طالب نیز عبداللہ بن عمر سمیت اکابر قریش و بنی ہاشم کی غالب اکثریت بیعت یزید کو برقرار نہ رکھتی اور باغیوں کا ساتھ دینے سے انکار نہ کرتی۔ نیز اگر واقعہ حرہ کے موقع پر باغیوں پر قابو پانے کے بعد ان کی ایک ہزار عورتوں کی بے حرمتی و عصمت دری کی روایت میں ذرہ برابر بھی صداقت ہوتی تو اکابر قریش و بنی ہاشم و اہل بیت نبوت یزید کی بیعت برقرار نہ رکھتے اور مذکورہ حدیث کا اطلاق یزید پر کر کے حمایت یزید کی بجائے لعن یزید اور حمایت باغیان پر متفق ہو جاتے۔ وعلی ھذا القیاس۔

اور جہاں تک امیر لشکر یزید سمیت شہر قیصر یعنی قسطنطنیہ پر جہاد کرنے والے اولین لشکر اسلام کے تمام مجاہدین کے لئے مغفرت کی بشارت والی حدیث بخاری (کتاب الجہاد) کا تعلق ہے' وہ مہلب اور ابن تیمیہ و دیگر بہت سے ائمہ محدثین کے نزدیک واضح و متعین ہے۔ البتہ یہ دلیل کہ بشارت مشروط ہے وفات علی الایمان کے ساتھ تو اس کے جواب میں برصغیر کے جلیل القدر عالم و مصنف مولانا عامر عثمانی ایک معروف معاصر عالم کے جواب میں فرماتے ہیں :۔

"ہم کہتے ہیں کہ اصولاً" اگرچہ یہ بات درست ہے کہ مرتد کی مغفرت نہیں ہو سکتی لیکن ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعہ کسی فرد بالخصوص افراد کی مغفرت کا اعلان فرمادیں تو آپ سے آپ طے ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ مومن ہی مریں گے' مرتد نہ ہوں گے۔ آخر اللہ کے علم میں تو ہے ہی کون کیا کرے گا' کس انجام کو پہنچے گا' وہ اگر کسی مقدمہ میں ارتداد تقدیر فرمادیں تو ناممکن ہے کہ اس کی مغفرت کی بشارت بھی دیں۔ مغفرت کی بشارت اسی تقدیر پر دی جاسکتی ہے کہ مبشر افراد کا خاتمہ ایمان ہی پر ہونا ہے۔ جب یہ بات

ہے تو انصاف کیجئے کہ جن اسلاف نے بخاری والی بشارت صریحہ کے ذیل میں مرتد کی مغفرت نہ ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے' انھوں نے کہاں تک بر محل بات کہی ہے؟ آخر کیا جوڑ ہے اس بشارت سے ارتداد کی نکتہ آفرینی کا؟ جبکہ یہ حضرات خود بھی یزید کو مرتد نہیں کہتے۔ سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ شیعی پروپیگنڈے کے تحت یزید کو فاسق و فاجر اور قاتل حسین یقین کرلینے کے بعد ان لوگوں کا جی کسی طرح نہیں چاہتا کہ یزید کی مغفرت کا فیصلہ خداوندی ٹھنڈے دل سے تسلیم کرلیں۔ پس کوئی نہ کوئی فی نکالتے ہیں' چاہے بات بنے یا نہ بنے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ پہلے غزوہ قسطنطنیہ کے مجاہدین میں سے ایک بھی مرتد نہیں ہوا۔ ہوتا کیسے؟ جن لوگوں کے لئے خود عالم الغیب والشہادہ نے ہی مغفرت طے کردی ہو' وہ کیوں کر مشرک و کافر ہو کر دنیا سے جاسکتے ہیں۔ اللہ کو پورا علم تھا کہ اس گروہ مومنین میں کوئی مرتد ہونے والا نہیں۔ اگر ہونے والا ہوتا تو ضرور وہ رسول کی زبانی دی ہوئی بشارت صریحہ میں کوئی ایسا لفظ لکھوا دیتے جو استثناء کی گنجائش دیتا۔ پھر آخر لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہر مومن کے لئے چاہے وہ کتنا ہی بڑا گناہ گار ہو' امکان مغفرت کا عقیدہ رکھنے کے باوجود وہ رسول اللہ کی بشارت سے یزید کو نکالنے کی زبردستی کررہے ہیں' اور انمل بے جوڑ طریقے پر ارتداد کا حکم بیان فرمارہے ہیں۔ جرات ہے تو کہہ دو یزید مرتد تھا' تب بے شک بشارت رسول کے ذیل میں ارتداد کی بحث کھڑی کرنا۔ یہ کیا بوالفضولی ہے کہ یزید کو مرتد بھی نہیں کہتے اور ارتداد کی بحث بھی بیچ میں لاتے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یزید کی حد تک تم نے خوارج و معتزلہ کا عقیدہ اختیار کرلیا ہو کہ معصیت کا مرتکب کافر ہوجاتا ہے"۔

(مولانا عامر عثمانی' مضمون یزید جسے خدا نے بخشا مگر بندوں نے نہیں بخشا' مطبوعہ ماہنامہ تجلی' دیوبند' جولائی 1960ء و راجع تحقیق مزید عباسی' ص 351' انجمن پریس کراچی' جون 1961ء)۔

مولانا عامر عثمانی اسی سلسلہ کلام میں آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"وجتنی بھی روایتوں میں رسول اللہ کی زبان سے صراحتاً" یزید کا فسق و فجور دکھلایا گیا ہے' وہ سب بلا استثناء جھوٹی اور گندی ہیں۔ ان کے بعض راوی ائمہ فن کی تصریحات کے مطابق اتنے لئیم ہیں کہ ان کے نفس کی گراوٹ شاید یزید کی شہرت یافتہ گراوٹوں سے بھی بڑھ کر ہو۔ اس شخص کی پستی کا کیا ٹھکانا ہو گا جو رسول اللہ پر بہتان باندھے' اور اپنے دل کی

گھڑی ہوئی بات ان کی طرف منسوب کرے۔
رہیں وہ روایتیں جن سے صراحتاً" نہیں بلکہ اجتہاداً" اور اشارتاً" یزید کا فسق و فجور ظاہر ہوتا ہے تو وہ بھی اپنے متن اور اسلوب کے اعتبار سے اس کی گنجائش رکھتی ہیں کہ یزید ان کی زد میں نہ آئے۔ تاہم چلئے ساری روایتیں تسلیم اور یزید کا فسق و فجور بجا لیکن جب فسق و فجور آدمی کو کافر نہیں بناتے اور اللہ ہر گناہ سوائے شرک و کفر کے معاف کر سکتا ہے تو ان ذکاوت حس کے مریضوں کا کیا حشر ہوگا جو اللہ کے رسول سے بے بنیاد معارضہ کریں اور بے محابا کہیں کہ یزید کو ہم نہیں بخشنے دیں گے۔ پھر حضور(ص) ہی کے ارشاد صریح کو مجروح کرنے کی کوشش فرمائیں۔ ہزار بار پناہ اس بہادری سے اور لاکھ بار توبہ اس بے دانشی سے کہ پرائے شگون میں آدمی اپنی ہی ناک کاٹ لے"۔
(مولانا عامر عثمانی' یزید جسے خدا نے بخشا مگر بندوں نے نہیں بخشا' مطبوعہ ماہنامہ تجلی دیوبند' جولائی 1960ء و تحقیق مزید ص 359-360)۔
واقعہ کربلا کے حوالہ سے ضمناً" یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ سیدہ زینب بنت علی(رض) کا مزار مبارک دمشق میں ہے جس سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے جسے بالعموم قبول عام حاصل نہیں کہ واقعہ کربلا کے بعد سیدہ زینب نے مدینہ کے بجائے بالاخر دمشق میں زوجہ یزید' سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار کے پاس مستقل قیام اختیار فرمالیا تھا' اور وہیں آپ کا انتقال و تدفین ہوئی۔ چنانچہ سیدہ زینب کا یزید و بنو امیہ کے گڑھ دمشق میں مزار بھی بہت سی ان منفی روایات کی تردید کرتا ہے جو بنو ھاشم و امیہ کی باہم دشمنی کے حوالہ سے زبان زدعام ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔
مولانا عامر عثمانی حدیث مغفرت مجاہدین قسطنطنیہ کے حوالہ سے مزید فرماتے ہیں:-
"لعنت بھیجو گالیاں دو جو چاہے کرو' اللہ کا رسول تو کہہ چکا کہ (اول جیش من امتی یغزون مدینہ قیصر مغفور لھم)۔ اور اللہ کا رسول اٹکل پچو نہیں کہتا' اللہ کی طرف سے کہتا ہے۔ سارا عالم مل کر زور لگالو' اللہ کی مشیت اٹل ہے۔ وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ۔ اور اگر اللہ ارادہ کرے تیرے لئے خیر کا تو کوئی اس کے فضل کو لوٹا نہیں سکتا۔
نصیبہ ور تھے وہ لوگ جنہیں قسطنطنیہ کے غزوہ اولیٰ کی شرکت نصیب ہوئی اور اللہ نے انہیں بخش دیا۔ کمال ہے بدعتی حضرات جو رسول اللہ کا درجہ دینے کے لئے انہیں عالم

الغیب اور حاضر و ناظر اور نہ جانے کیا کیا کہا کرتے ہیں' وہ بھی یزید دشمنی میں اتنے ڈھیٹ ہوگئے ہیں کہ رسول اللہ کا فرمودہ تاویل کی خراد پر چڑھ جائے تو چڑھ جائے مگر یزید جنت میں نہ جانے پائے۔

مبارک ہو شیعوں کو کہ انہوں نے خود تو حضرت حسین (رض) کو کوفے بلایا اور بدترین بزدلی اور عہد شکنی کے مرتکب ہو کر ان کی مظلومانہ موت کو دعوت دی' لیکن الزام سارا ڈال دیا یزید کے سر' اور حب حسین کا ڈھونگ رچا کر بغض یزید کی وہ ڈفلی بجائے کہ اہل سنت بھی رقص کر گئے۔ کتنا کامیاب فریب ہے کہ اصلی قاتل تو سرخرو ہوئے' اور سیاہی ملی گئی اس یزید کے منہ پر جو اپنی حکومت کی حفاظت کرنے میں اسی طرح حق بجانب تھا جس طرح دنیا کا کوئی بھی حکمران ہوتا ہے۔

ہم انسانی تاریخ میں کسی ایسے حکمران کو نہیں جانتے جس نے بوقت ضرورت اپنے تحفظ کے لئے ممکنہ تدابیر سے کام نہ لیا ہو۔ یزید ہی نے حضرت حسین (رض) کو باز رکھنے کے لئے افسروں کو اقدام و انصرام کا حکم دیا تو یہ کوئی انوکھا فعل نہ تھا۔ ہاں اس نے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ انہیں مار ڈالنا۔ جو کچھ پیش آیا' بہت برا سہی مگر یزید قاتل نہ تھا' نہ قتل کا آرڈر دینے والا۔ پھر بھی قتل کی ذمہ داری اس پر ڈالتے ہو تو اس میں سے کچھ حصہ بہت بڑا حصہ ان بدنہاد کوفیوں کو بھی تو دو جنہوں نے خطوں کے پلندے بھیج بھیج کر حضرت حسین کو بلایا اور وقت آیا تو رسول اللہ کے نواسے کو ہجوم آفات میں چھوڑ کر ۔۔ گیارہ ہوگئے۔

یہ سب شیعہ تھے' پرلے سرے کے بوالفضول اور عہد شکن۔ انہوں نے حضرت علی (رض) کو بھی ناکوں چنے چبوائے۔ میدان وفا میں ہیچ بن گئے۔ اسد اللہ کی خیر شکن تلوار کو کند کر کے رکھ دیا' اور پھر انہی کے عالی مقام بیٹے حسین (رض) کو سبز باغ دکھا کر مروا دیا۔ آج یہ ناٹک کھیلتے ہیں کہ ہم حسین کے فدائی ہیں اور اسی ناٹک میں کتنے ہی سنی حضرات بطور آرکسٹرا شامل ہوگئے ہیں۔ واہ رے کمال فن! ہوسکے تو یزید دشمنی میں حد سے آگے جانے والے اہل سنت غور کریں کہ وہ کس معصومیت سے دھوکا کھا گئے ہیں۔ کیسا جادو کا انڈا ان کے سر پر پھیرا گیا ہے اور صحابہ کے دشمنوں نے کس طرح یزید کی آڑ میں نہ صرف حضرت معاویہ (رض) بلکہ یزید کی بیعت کرنے والے متعدد جلیل القدر صحابہ کو سب و شتم کرنے کا راستہ نکالا ہے"۔

(مولانا عامر عثمانی' یزید جسے خدا نے بخشا مگر بندوں نے نہیں بخشا' مطبوعہ ماہنامہ تجلی دیوبند' جولائی 1960ء و تحقیق مزید ص 368-369)۔

خلاصہ و نتیجہ کلام بسلسلہ واقعہ کربلا۔

واقعہ کربلا و مسئلہ لعن یزید کے سلسلہ میں مذکورہ سابقہ تفصیلات و مباحث سے درج ذیل خلاصہ و نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔

1۔ یزید کی بیعت خلافت (رجب 60ھ۔ ربیع الاول 64ھ) چھپن لاکھ مربع میل پر محیط پورے عالم اسلام کے صحابہ و تابعین و عامتہ المسلمین نے کی' جن میں سیدنا عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن جعفر طیار' محمد بن علی ابن الحنفیہ اور دیگر اکابر قریش و بنی ہاشم' صحابہ و تابعین بھی شامل تھے۔ مگر نواسہ رسول سیدنا حسین بن علی اور برادر زادہ نبی و علی و نواسہ ابوبکر سیدنا عبداللہ بن زبیر نیز ہر دو کے رفقاء و مؤیدین کی کثیر تعداد نے بیعت خلافت یزید نہیں کی۔

2۔ سیدنا حسین و ابن زبیر نے ابتدائے خلافت یزید میں بیعت یزید سے بچتے ہوئے مدینہ سے تقریباً بیک وقت مکہ کا سفر اختیار کیا اور وہیں قیام فرمایا۔ سیدنا ابن زبیر نے مکہ ہی میں مستقل قیام فرما کر بلا بیعت خلافت یزید خروج و مقاومت کا عمل جاری رکھا۔ یہاں تک کہ یزید کی وفات (14 ربیع الاول 64ھ) کے بعد انہوں نے اپنی امامت و خلافت کا باقاعدہ اعلان کر کے حجاز و عراق سمیت عالم اسلام کے بہت بڑے حصہ پر اپنی خلافت (64-73ھ) تقریباً دس برس تک قائم رکھی۔ پھر حجاج بن یوسف کی امارت عراق کے زمانہ میں مکہ میں لشکر حجاج سے لڑتے ہوئے 73ھ میں شہادت پائی۔

3۔ سیدنا حسین بن علی نے مکہ معظمہ میں چار ماہ سے زائد عرصہ (شعبان۔ ذوالحج 60ھ) قیام فرمایا' اس دوران میں نہ تو انہیں حکام کی طرف سے بیعت یزید پر مجبور کیا گیا' نہ شیعان کوفہ و عراق کے وفود و خطوط کی آمدورفت پر کوئی خاص پابندی عائد کی گئی۔ چنانچہ اٹھارہ ہزار سے زائد خطوط شیعان کوفہ نیز وفود کوفیان کے پیہم اصرار کے نتیجہ میں سیدنا حسین نے سیدنا علی و حسن کے سابقہ تلخ تجربات کے علم و معرفت کے باوجود ایک بار پھر شیعان کوفہ و عراق کو خانوادہ علی کے ساتھ اپنے دعوئ وفاداری کو ثابت کرنے کا موقع دیا' مگر سابقہ غداریوں کے پیش نظر احتیاطاً مسلم بن عقیل سے تصدیق احوال کوفیان بھی کروالی۔

4۔ مسلم بن عقیل کی جانب سے ہزاروں شیعان کوفہ کے دست مسلم پر بیعت خلافت حسین کرلینے کی اطلاع اور دعوت سفر کوفہ پر سیدنا حسین نے سفر کوفہ اختیار فرمایا تاکہ یزید کے مقابلہ میں اپنی رائے کے مطابق بہتر حسینی خلافت کا قیام عمل میں لایا جاسکے۔ مگر اکابر قریش و بنی ہاشم، صحابہ و تابعین کی کثیر تعداد نے آپ کو خروج و سفر کوفہ سے منع فرمایا جس میں شہادت عثمان و خلافت علی کی خانہ جنگیوں کے ہولناک نتائج کے بعد حسین و یزید، عراق و شام اور امت اسلام کے باہم تصادم و خانہ جنگی سے عالم اسلام کو بچانے کا جذبہ بھی کار فرما تھا۔ علاوہ ازیں سیدنا عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن جعفر طیار و عبداللہ بن عمرو سیدنا محمد بن علی، ابن الحنفیہ جیسے اکابر قریش و بنی ہاشم کے نزدیک شیعان کوفہ و عراق قطعاً" ناقابل اعتبار تھے۔ مگر سیدنا حسین، مسلم بن عقیل کا پیغام ملنے کے بعد مکہ سے عازم کوفہ ہوگئے۔

5۔ سیدنا نعمان بن بشیر کے بعد عبیداللہ ابن زیاد کے امیر کوفہ مقرر ہونے پر مسلم بن عقیل اور ان کے میزبان ھانی بن عروہ کو قتل کردیا گیا اور ہزاروں شیعان کوفہ مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت خلافت حسین کرنے کے بعد غداری کرتے ہوئے ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت خلافت یزید کرگئے، جس کی اطلاع سیدنا حسین کو دوران سفر ملی۔ چنانچہ کوفہ و عراق ہاتھ سے نکل جانے کی خبر پر آپ نے نئی صورت حال میں طلب خلافت کا ارادہ منسوخ کرتے ہوئے واپسی کا ارادہ فرمایا، مگر بنو عقیل نے انتقام مسلم کے بغیر واپسی سے انکار کردیا۔ چنانچہ سیدنا حسین اپنی اصابت رائے و مشاورت کے تقاضہ کے برعکس بنو عقیل کے اصرار کی بناء پر پیش قدمی فرماتے رہے، اور جب قدرے تاخیر سے بنو عقیل سمیت آپ کے جملہ رفقاء کو بھی حالات کی سنگینی کے پیش نظر واپسی ہی مناسب نظر آئی تو لشکر حر بن یزید تمیمی نے محاصرہ کرکے واپسی کی راہیں مسدود کردیں۔ پھر ابن سعد کا دستہ لشکر آن پہنچا اور دمشق جانے کی راہ بھی باقی نہ رہی اور نہ دخول کوفہ کی صورت بچی۔ بالآخر آپ فرات کے کنارے سرزمین کربلا میں خیمہ زن ہونے پر مجبور ہوئے۔

6۔ سیدنا حسین نے خونریزی سے بچنے اور صلح و مفاہمت کی خاطر آخر وقت میں اپنے عزیز (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد) امیر لشکر عمر بن سعد بن ابی وقاص کو مدینہ واپسی یا سرحدوں کی جانب برائے جہاد روانگی یا دمشق میں اپنے چچا زاد یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں ہاتھ رکھنے کی تین شرائط پر مبنی پیشکش فرمائی۔ جسے ابن سعد نے بخوشی منظور کرتے ہوئے

امیر کوفہ ابن زیاد کی منظوری کے لئے بھیجا' مگر ابن زیاد نے یزید کو اطلاع کئے بغیر خلاف توقع شمر بن ذی الجوشن کے مشورہ کے مطابق دست در دست یزید سے پہلے دست در دست ابن زیاد کی شرط سے مشروط کردیا جسے سیدنا حسین نے قبول نہ فرمایا' کیونکہ وہ یزید کے مقابلے میں نہ صرف ابن زیاد کو کمتر و ناقابل اعتبار سمجھتے تھے' بلکہ مسلم بن عقیل کا حشر دیکھتے ہوئے انہیں یقین تھا کہ ابن زیاد ان کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرے گا' جبکہ یزید اس کی نسبت نرم و مہربان ہوگا۔ چنانچہ لشکر حسینی و لشکر کوفیان کے درمیان دس محرم 61ھ (ستمبر 681ء) کو خونریز تصادم ہوا جس میں سیدنا حسین اور ان کے پندرہ بیس عزیز و اقارب نیز پچاس سے زائد (و بروایت سو تا دو سو) اعوان و انصار اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہوئے شہید و مقتول ہوئے۔

ایک دوسری رائے کے مطابق جب شیعان کوفہ کے نام لے لے کر سیدنا حسین نے انہیں شرم دلائی کہ ہزاروں خطوط کے ذریعے دعوت نیز مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت خلافت حسینی کرلینے کے بعد غداری تمہارے لئے باعث ننگ و عار ہے تو کوفیوں کو خدشہ ہوا کہ اگر سیدنا حسین نے یزید سے صلح و مفاہمت کے بعد خطوط کوفیان یزیدی حکومت کے حوالے کردیئے تو ان کے خلاف سرکاری کارروائی ہوگی۔ لہٰذا انہوں نے اپنے خطوط کے پلندوں کے حصول کی خاطر خیمہ ہائے لشکر حسینی پر حملہ کردیا اور باہم تصادم میں سیدنا حسین و رفقائے حسین نے شہادت پائی)۔

7۔ دس محرم یا سات محرم سے بندش آب کی روایات الفاظ و معانی کے لحاظ سے متنوع ہیں جن کے مطابق فرات کا قریبی گھاٹ روکا گیا۔ نیز اس بندش کے بعد دور کے گھاٹ سے پانی لایا جاتا رہا اور سینکڑوں مرد و زن اور سواری کے جانور اس پانی سے اپنی پیاس بجھاتے اور حوائج ضروریہ پوری کرتے رہے۔ شیعی روایات کے مطابق بندش آب کے بعد گڑھے کھود کر صاف قابل قبول پانی کی فراہمی کا بھی انتظام کیا گیا۔ علاوہ ازیں تعداد رفقائے حسین' تعداد شہدائے کربلا' تفاصیل واقعات کربلا پسماندگان قافلہ حسینی کے احوال سمیت جملہ روایات میں سے خود محققین اہل تشیع کے نزدیک کچھ سرے سے غلط' کچھ مشکوک و مبہم' کچھ مبالغہ آمیز اور ناقابل اعتبار ہیں' جن کا زیادہ تر راوی واقعہ کربلا کے بعد پیدا ہونے والا ابو مخنف لوط بن یحیٰ ازدی (م 157ھ) ہے جس نے متفرق و مجہول راویان سے روایات حاصل کیں اور پھر

طبری نے انھیں بلا تحقیق اپنی تاریخ میں نقل فرمادیا۔ اور طبری سے بعد کے مورخین ابن الاثیر و ابن کثیر وغیرہ نے نقل فرمادیں۔

8۔ شہادت حسین اور رفقائے حسین کے بعد خواتین و پسماندگان حسین کو سرِ حسین سمیت ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیج دیا گیا' جہاں سے قافلہ حسینی یزید کے پاس دمشق پہنچا۔ البتہ سیدنا حسین کا سر مبارک یزید کے پاس کوفہ سے دمشق لے جانے والی روایت غلط اور باطل ہے' کیونکہ نہ صرف اس کے راوی مشکوک و مجہول ہیں' بلکہ بقول ابن تیمیہ دربار یزید میں سرحسین لے جائے جانے کے وقت سیدنا انس بن مالک و ابو برزہ اسلمی وغیرہ صحابہ کرام کی موجودگی کا تذکرہ اس روایت کو ورایتا" بھی باطل قرار دیتا ہے' کیونکہ مذکورہ صحابہ کرام شام کے بجائے عراق میں قیام پذیر تھے' لہٰذا ابن زیاد کی مجلس کوفہ میں تو ان کی موجودگی قرین قیاس ہوسکتی ہے' سینکڑوں میل دور دربار یزید اور شہر دمشق میں موجودگی ممکن نہیں۔

9۔ یزید پر شہادت حسین و رفقائے حسین کے سلسلہ میں کوئی ذمہ داری بنیادی طور پر عائد نہیں ہوتی' کیونکہ نہ تو یہ بات ثابت ہے کہ اس نے قتل حسین کا حکم دیا' اور نہ ہی اس نے قتل حسین پر خوشی اور رضامندی ظاہر کی بلکہ الٹا ابن زیاد پر لعنت بھیجی۔ چنانچہ متعدد روایات کے مطابق یزید نے حادثہ کربلا و شہادت حسین و رفقائے حسین پر اظہار رنج و غم کیا' ابن زیاد پر لعنت بھیجی اور یہاں تک کہا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو اپنی جان پر کھیل کر بھی حسین کو بچالیتا' اور اگر ابن زیاد کی حسین سے رشتہ داری ہوتی تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتا۔ بعدازاں قافلہ حسینی کو خاص رشتہ دار ہونے کی بناء پر حرم سرائے شاہی میں ٹھہرایا اور مہمان نوازی و تلافی اموال کے بعد سیدنا علی زین العابدین و سیدہ زینب و ام کلثوم کی خواہش کے مطابق محافظین کے ہمراہ بحفاظت مدینہ روانہ کیا' اور بعدازاں وفات یزید تک خانوادہ حسینی کے خلیفہ یزید کے ساتھ عمدہ تعلقات برقرار رہے۔

10۔ یزید اپنی چار سالہ امامت و خلافت میں ابن زیاد کو اس کی غلطی و جرم کی لعن و مذمت کے علاوہ کوئی سزا نہ دے پایا جس طرح کہ سیدنا علی اپنی پنج سالہ خلافت راشدہ میں انتظامی مجبوریوں کی بنا پر قاتلین عثمان سے قصاص نہ لے پائے۔ اس میں نہ صرف ابن زیاد کے شیعان کوفہ کو مغلوب رکھنے کے کارنامہ کو دخل تھا بلکہ سزا دینے کی صورت میں ابن زیاد و شیعان کوفہ کی بغاوت کا بھی خطرہ تھا۔ نیز ابن زیاد کے ساتھ سیدنا حسین کو سفر کوفہ پر

ابھارنے والے ہزاروں غداران کو بھی سزا دینا لازم قرار پاتا جس پر انتقام حسین کی آڑ میں شیعان حسین کے قتل عام کا زائد الزام بھی یزید پر عائد کیا جاسکتا تھا۔

11۔ امام غزالی و ابن تیمیہ جیسے اکابر امت نے یزید کو واقعہ کربلا و شہادت حسین کا ذمہ دار قرار نہیں دیا اور نہ ہی اس حوالہ سے لعن یزید کو جائز قرار دیا ہے' بلکہ امام غزالی سمیت بہت سے اکابر امت بحیثیت مسلمان یزید کے لئے دعائے رحمت (رحمتہ اللہ علیہ) کو بھی جائز و مستحب قرار دیتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس علامہ تفتازانی جیسے کئی اکابر امت یزید کو منفی تاریخی روایات کی بناء پر قتل حسین اور واقعہ کربلا کا ذمہ دار سمجھتے ہیں اور جواز لعن ثابت کرتے ہیں۔ البتہ جواز لعن کے قائل اکابر امت کے نزدیک بھی یزید کی جانب سے توبہ و استغفار اور خدا کی جانب سے مغفرت یزید کا امکان موجود ہے' لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ قاتلین سیدنا عمرو عثمان و طلحہ و زبیر پر لعنت کی طرح قاتلین حسین پر بھی بغیر نام لئے لعنت بھیجی جائے' اس طرح جو جو مستحق لعنت ہے اس پر خود بخود لعنت پڑجائے گی' اور غیر مستحق پر لعنت کے اس خطرہ سے بچا جاسکے گا' جس کی صورت میں لعنت الٹا لعنت بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے۔

12۔ حدیث مغفرت جملہ مجاہدین لشکر اول قسطنطنیہ' حدیث شوکت اسلام در زمان بارہ قریشی خلفاء و حدیث "خیر امتی قرنی" وغیرہ کی رو سے اکابر امت کی کثیر تعداد کے نزدیک یزید صحابی زادہ و تابعی' مغفرت یافتہ اور برحق خلیفہ اسلام ہے۔ جبکہ دیگر علماء کے نزدیک ان احادیث کے باوجود ایسی تشریح و تاویل کی گنجائش موجود ہے' جو یزید کو ان احادیث کا مصداق قرار دینے میں مانع ہوسکتی ہے۔ اس صورت حال میں اس رائے کو کافی حد تک قبول عام و اتفاق رائے حاصل ہوچکا ہے کہ دینی و تاریخی روایات کی تاویل و تشریح و صحت و عدم صحت راویان کے حوالہ سے یزید کو بالیقین کافر و ملعون یا قتل حسین کا ذمہ دار قرار دینا ممکن نہیں' لہٰذا یزید کو مومن و مسلم تسلیم کرتے ہوئے اس کے بارے میں کسی قسم کے منفی کلمات یا لعن طعن سے سختی سے اجتناب لازم ہے' کیونکہ بعض اقوال و احادیث کی رو سے یزید کے برحق خلیفہ' مغفرت یافتہ اور صالح و متقی قرار پانے کا امکان بھی موجود ہے اور بہت سے اکابر امت کے نزدیک وہ یقیناً" ایسا ہی تھا لہٰذا زیادہ سے زیادہ بغیر نام لئے اس بات پر عمل کیا جاسکتا ہے کہ ۔

لعنۃ اللہ علی قاتل عمر و عثمان و طلحۃ و الزبیر وعلی والحسین'
لعنۃ اللہ علی الظالمین'اعداء الصحابۃ' واھل البیت اجمعین۔

ائمہ اہل تشیع کی عملی صورت حال۔

شیعی نقطہ نظر سے امامت و خلافت کی بحث میں اعتقادی حوالہ سے یہ بھی واضح رہے کہ شیعہ اثنا عشریہ اپنے بارہ اماموں کو انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی طرح منصوص من اللہ (اللہ کی طرف سے مقرر شدہ)' معصوم عن الخطاء' مفترض الطاعہ (جن کی اطاعت نبیوں رسولوں کی طرح فرض ہے) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر تمام انبیاء و مرسلین سے افضل مانتے ہیں۔ لہٰذا امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سمیت تمام اکابر امت و علماء اہلسنت کے نزدیک اس عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ' افضل من النبوہ کی بناء پر شیعہ اثنا عشریہ منکرین ختم نبوت قرار پاتے ہیں:۔

"امام باصطلاح ایشاں معصوم' مفترض الطاعہ' منصوب للخلق است' ووحی باطنی در حق امام تجویز می نمایند۔ پس در حقیقت ختم نبوت را منکراند گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء می گفتہ باشند"۔

(شاہ ولی اللہ تفہیمات الہیہ' ص 244' ووصیت نامہ' ص 6-7 مطبع مسیحی کانپور' 1273ھ)۔

ترجمہ:۔ شیعہ اثنا عشریہ کی اصطلاح اور ان کے عقیدہ میں امام کی شان یہ ہے کہ وہ معصوم ہوتا ہے' اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے اور مخلوق کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر و نامزد ہوتا ہے۔ اور شیعہ امام کے حق میں وحی باطنی کے قائل ہیں۔ پس فی الحقیقت وہ ختم نبوت کے منکر ہیں اگرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔

اہل تشیع بالعموم اور شیعہ اثنا عشریہ بالخصوص اپنے ائمہ کے لئے جس مقام امامت منصوصہ و معصومہ افضل من النبوہ نیز جن صفات و خواص نبوت و رسالت حتی کہ بعض صفات الوہیت تک کا عقیدہ رکھتے اور اسے توحید و رسالت و قیامت کی طرح اصول دین میں شمار کرتے ہیں' (ان لائمتنا مقاما" لا یبلغہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ ہمارے آئمہ کا وہ مقام

ہے جس تک نہ کوئی نبی مرسل پہنچ سکا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ۔ خمینی' الحکومۃ الاسلامیۃ' ص 52)۔ ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے جب ائمہ شیعہ کی عملی صورت حال اور طرز عمل کا مختصرا جائزہ لیا جائے تو درج ذیل نقاط سامنے آتے ہیں۔

1۔ اہل تشیع کے منصوص و معصوم امام اول و خلیفہ بلافصل' وصی رسول' ولی الامر سیدنا علی بن ابی طالب نے اپنی امامت و خلافت و ولایت منصوصہ و معصومہ افضل من النبوہ قائم کرنے کے بجائے شورائیت و اجماع صحابہ کی بنیاد پر منتخب شدہ امام اول و دوم و سوئم سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی امامت و خلافت (11-35ھ) کی بیعت فرمائی اور شہادت عثمان (18 ذوالحج' 35ھ) تک پچیس سال مسلسل ان ائمہ و خلفاء ثلاثہ کی یکے بعد دیگرے بیعت کر کے اس پر تختی سے قائم رہے' نیز ان ائمہ ثلاثہ کے مشیر و معاون رہے' اور ان کے ہمراہ اہل تشیع کے دوسرے اور تیسرے امام منصوص و معصوم افضل من الانبیاء سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی امامت و خلافت کی بیعت پر قائم رہے۔

2۔ اہل تشیع کے دوسرے امام منصوص و معصوم سیدنا حسن شہادت امام علی کے چند ماہ بعد (41ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و برادر نسبتی کاتب وحی برادر سیدہ ام حبیبہ ام المؤمنین کے حق میں دستبردار ہوگئے اور سیدنا حسین کے ہمراہ سیدنا معاویہ کی امامت و خلافت کی بیعت کرلی۔ سیدنا حسن اس بیعت پر سن 50ھ میں اپنی وفات تک دس سال قائم رہے اور آپ کے بعد تیسرے امام منصوص و معصوم سیدنا حسین نے مزید دس برس وفات سیدنا معاویہ (رجب 60ھ) تک کل بیس برس اس بیعت معاویہ کو قائم رکھا اور ان کے مقابلے میں نہ سیدنا حسن نے اور نہ ہی بعد ازاں سیدنا حسین نے عملاً کوئی متوازی امامت و خلافت قائم فرمائی۔

3۔ تمام اہل تشیع کے متفق علیہ منصوص و معصوم امام اول و دوم و سوئم سیدنا علی و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے بعد شیعہ اثنا عشریہ کے چوتھے امام منصوص و معصوم علی زین العابدین کے مقابلے میں ان کے غیر فاطمی چچا امام محمد بن علی (ابن الحنفیہ) نے اپنی امامت کا دعوی فرمایا اور شیعہ فرقہ کیسانیہ وجود میں آیا۔

4۔ شیعہ اثنا عشریہ کے پانچویں امام منصوص و معصوم محمد الباقر کے مقابلے میں ان کے

بھائی امام زید بن علی زین العابدین نے اپنی امامت کا دعوی کیا اور شیعہ فرقہ زیدیہ وجود میں آیا' جس کے پیروکار آج بھی یمن وغیرہ میں کئی ملین کی تعداد میں موجود ہیں۔

5۔ شیعہ اثنا عشریہ کے چھٹے امام جعفر الصادق نے جب اپنے بڑے بیٹے اسماعیل بن جعفر کی اچانک وفات پر امامت اپنے چھوٹے بیٹے موسی الکاظم کو منتقل فرمائی تو امام اسماعیل کے فرزند محمد نے اپنے چچا موسی الکاظم کے مقابلے میں اپنی امامت کا دعوی فرمایا جس سے شیعہ فرقہ اسماعیلیہ وجود میں آیا جس کے کروڑوں پیروکار برصغیر پاک و ہند' افریقہ و یورپ اور دیگر مقامات پر موجود ہیں۔

6۔ اثنا عشریہ کے ساتویں امام موسی الکاظم کی اولاد میں سے امام سید محمد نور بخش (795-869ھ) نے ایران میں اپنی امامت اور امام مہدی ہونے کا دعوی کیا جس کے بعد شیعہ فرقہ نور بخشیہ وجود میں آیا جس کے پیروکار آج بھی گلگت و بلتستان اور کشمیر و ایران میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

اس طرح مختلف شیعہ فرقے کیسانیہ' زیدیہ' اسماعیلیہ' نور بخشیہ وغیرہ شیعہ اثنا عشریہ کے ائمہ میں سے کئی ایک کی امامت کا انکار کر کے اپنے علیحدہ اماموں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ سب اس بات سے بھی انکار کرتے ہیں کہ اماموں کی تعداد صرف بارہ ہے۔ حتی کہ اثنا عشریہ کے بارہویں امام محمد المھدی کو بھی یہ شیعہ فرقے تسلیم نہیں کرتے جن کے بارے میں اثنا عشریہ کا کہنا ہے کہ وہ تقریباً ساڑھے گیارہ سو سال پہلے عراق کے مقام "سر من رای" میں غائب ہو گئے تھے اور قیامت کے قریب ظاہر ہو کر اپنے اثنا عشری فرقہ کی قیادت فرماتے ہوئے عالمگیر اسلامی (شیعہ اثنا عشری) حکومت قائم فرمائیں گے۔

اگر بارہ امام نبیوں کی طرح اللہ کی طرف سے مقرر شدہ (منصوص من اللہ) معصوم عن الخطاء و افضل من الانبیاء ہوتے تو کم از کم تمام شیعہ فرقوں کا ان کی امامت منصوصہ و معصومہ افضل من النبوہ پر مکمل اتفاق رائے ہوتا اور مذکورہ فرقوں کے مختلف ائمہ کرام اپنے ہی بھائیوں' بھتیجوں کے مقابلے میں امامت کے دعویدار نہ بتلائے جاتے۔

جبکہ اہل سنت والجماعت شیعوں کے برعکس ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور لاکھوں تابعین و صالحین کے ساتھ ساتھ ان تمام شیعہ فرقوں کے آئمہ کرام کا بھی مکمل احترام کرتے ہیں' مگر ان میں سے نہ تو کسی کو اللہ کی طرف سے مقرر شدہ (منصوص

من اللہ)، معصوم عن الخطاء، مفترض الطاعہ یا افضل من الانبیاء تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی ان صحیح العقیدہ بزرگان اسلام سے منسوب منفی شیعہ روایات و احادیث کو درست سمجھتے ہیں۔ ان شیعہ روایات و احادیث کی بھی صورت حال یہ ہے کہ مذکورہ شیعہ فرقے نہ تو ایک دوسرے کے اماموں کی روایات و احادیث قبول کرتے ہیں اور نہ ہی تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ کے سلسلہ میں ایک دوسرے کی کتابوں کو مستند تسلیم کرتے ہیں۔

اس کے برعکس دنیا بھر کے نوے فیصد سے زائد مسلمان جو صدیوں سے عقیدہ اہل سنت والجماعت سے وابستہ ہیں، قرآن و حدیث، اصول و عقائد، فقہ و تفسیر اور تاریخ و تصوف وغیرہ کے سلسلہ میں مشترکہ سرمائے کے حامل ہیں۔ نیز اہل سنت بالاتفاق کسی ایسے امام مہدی کو بھی تسلیم نہیں کرتے جو ساڑھے گیارہ سو سال سے غائب بارہویں اثنا عشری امام ہیں، بلکہ روایات اہل سنت کے مطابق آخری زمانہ میں خاندان رسالت میں سے ایک عظیم شخصیت محمد المہدی پیدا ہوں گے اور دنیا میں غلبہ اسلام کی قیادت فرمائیں گے۔

پہلی صدی ہجری کے چند اہم شہدائے مظلومین (رض)

1۔ اول شہید اہل بیت عمزاد رسول(ص) سیدنا عبید بن حارث بن عبد المطلب الھاشمی القرشی، شہید غزوہ بدر (م 17 رمضان 2ھ)۔

2۔ سید الشہداء سیدنا حمزہ بن عبد المطلب الھاشمی القرشی، شہید غزوہ احد (م شوال 3ھ)

3۔ شبیہ رسول(ص) سیدنا مصعب بن عمیر، شہید غزوہ احد (م شوال 3ھ)۔

4۔ محبوب رسول(ص) سیدنا زید بن حارثہ، شہید جنگ موتہ (م 6ھ)۔

5۔ اول داماد رسول شوہر سیدہ زینب و خواہر زادہ سیدہ خدیجہ سیدنا ابو العاص بن ربیع الاموی القرشی، شہید ختم نبوت در جنگ یمامہ بدست لشکر مسیلمہ کذاب (م 13ھ)۔

6۔ امام و خلیفہ ثانی، والد اہل بیت رسول سیدہ حفصہ ام المومنین سیدنا عمر بن الخطاب العدوی القرشی، شہید محراب مسجد نبوی بدست مجوسیان (یکم محرم 24ھ)۔

7۔ امام و خلیفہ ثالث، خواہر زادہ رسول(ص) جامع قرآن سیدنا عثمان بن عفان الاموی القرشی، ذوالنورین، ذوالہجرتین، خالوئے حسنین، شہید مدینہ (م 18 ذوالحج 35ھ)۔

8۔ یکے از عشرہ مبشرہ، طالب قصاص عثمان، سیدنا طلحہ بن عبید اللہ التمیمی القرشی، شہید جنگ جمل بدست کوفیان (م جمادی الثانی 36ھ)۔

9۔ یکے از عشرہ مبشرہ، طالب قصاص عثمان، پھوپھی زاد رسول، برادر زادہ سیدہ خدیجہ و داماد ابوبکر، سیدنا زبیر بن العوام الاسدی القرشی، شہید جنگ جمل بدست کوفیان (م جمادی الثانی 36ھ)۔

10۔ سیدنا عمار بن یاسر، شہید جنگ صفین بدست شامیان (م 37ھ)۔

11۔ امام و خلیفہ چہارم، داماد و چچا زاد رسول(ص) شوہر سیدہ فاطمہ، سیدنا علی بن ابی طالب الھاشمی القرشی، شہید محراب مسجد کوفہ، بدست خوارج (م 21 رمضان 40ھ)۔

12۔ نواسہ رسول، فرزند بتول سیدنا حسین بن علی الھاشمی القرشی شہید کربلا بدست کوفیان (م 10 محرم 61ھ)۔

13۔ نواسہ امام اول و خلیفہ بلافصل ابوبکر صدیق و برادر زادہ نبی و علی و خواہر زادہ سیدہ عائشہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر القرشی، شہید مکہ بدست لشکر حجاج (م جمادی الثانی 73ھ)۔

14۔ خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز الاموی القرشی، شہید دمشق (م رجب 101ھ)۔

2۔ مختصر احوال یزید

یزید بن معاویہ کے حامیان و مخالفین بالعموم اس کے ذاتی حالات کے بارے میں بنیادی معلومات سے بے خبر ہیں' لہٰذا حتی الامکان مستند مصادر سے بعض ضروری معلومات درج کی جارہی ہیں۔

یزید کا نام ونسب اور ذاتی حالات

یزید کے دادا سیدنا ابوسفیان اموی قریشی' دادی سیدہ ھند' تایا یزید' والد معاویہ اور پھوپھی ام المومنین سیدہ ام حبیبہ (رملہ) تمام کے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم یزید کے پھوپھا ہیں۔

سیدنا ابوسفیان فتح مکہ (10 رمضان 8ھ) سے چند روز پہلے مسلمان ہوئے اور ان کے گھر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر دارالامان قرار دیا۔ سیدہ ھند زوجہ ابوسفیان بھی اسی دوران میں مسلمان ہوئیں اور سیدنا حمزہ کی شہادت کے بعد ان کا کلیجہ چبانے پر ان کی توبہ نبی علیہ السلام نے قبول فرمائی اور بیعت نبوی سے سرفراز ہوئیں۔

سیدنا ابوسفیان کی ایک آنکھ غزوہ طائف میں اور دوسری جنگ یرموک میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئی۔ آپ کی زوجہ ھند اور بیٹے رومی عیسائیوں کے خلاف جنگ میں موجود تھے۔ جبکہ غزوہ حنین میں بھی سیدنا ابوسفیان اور ان کا خاندان شریک تھے۔ غزوہ یرموک میں اپنی پرجوش تقریروں سے سیدنا ابوسفیان مجاہدین کی ہمت افزائی کرتے ہوئے فرماتے جاتے تھے:۔

ھذا یوم من ایام اللہ فانصروا دین اللہ ینصرکم اللہ۔

(یہ اللہ کے ایام جہاد میں سے ایک ہے' پس اللہ کے دین کی مدد کرو' اللہ تمہاری مدد فرمائے گا)۔

یزید کے تایا سیدنا یزید بن ابی سفیان شام پر حملہ کرنے والے صحابی فاتحین اور سپہ سالاروں میں سے ایک تھے اور انہیں سیدنا عمر فاروق نے امیر دمشق مقرر کیا تھا۔ اور انہی کے نام پر یزید بن معاویہ کا نام رکھا گیا' جبکہ سیدنا معاویہ بعض روایات کے مطابق فتح مکہ کے

موقع پر نہیں بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد (6 یا 7ھ میں) مسلمان ہوئے مگر اعلان و اظہار فتح مکہ کے سال کیا۔ (الاصابہ لابن حجر بروایت واقدی)۔ آپ کاتب وحی اور غزوہ طائف و حنین و تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریک جہاد تھے اور سیدنا علی و حسن کے بعد بیس برس تک آخری صحابی خلیفہ کے طور پر امور ریاست سرانجام دیتے رہے۔

غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی سیدنا معاویہ کی بیس سالہ عظیم الشان امامت و خلافت کو شرعاً درست قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"واما خلافة معاوية فثابتة صحيحة بعد موت علی وبعد خلع الحسن بن علی رضی الله تعالى عنهما نفسه عن الخلافة و تسليمها الى معاوية"۔

(عبدالقادر الجيلانی' غنية الطالبين' ص 172)۔

ترجمہ:۔ حضرت علی کی وفات اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خلافت سے دستبردار ہو کر اسے حضرت معاویہ کے سپرد کردینے کے بعد حضرت معاویہ کی خلافت درست اور ثابت شدہ ہے۔

سیدنا معاویہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی:۔

1۔ اللهم اجعله هاديا" و مهديا" واهدبه۔

(مشكاة المصابيح' باب جامع المناقب)۔

ترجمہ:۔ اے اللہ انہیں ہادی و مہدی بنا اور ان کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے۔

2۔ اللهم علمه الحساب والكتاب وقه العذاب۔

(علی متقی' كنز العمال' ج 7' ص 87)۔

ترجمہ:۔ اے اللہ انہیں حساب و کتاب کا علم عطاء فرما اور عذاب سے محفوظ رکھ۔

3۔ سیدنا معاویہ ہی نے خلافت عثمانی میں پہلا بحری بیڑا تیار کرا کے قبرص کو بحری جہاد کے ذریعے فتح کیا' جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:۔

اول جيش من امتی يغزون البحر قد اوجبوا۔

(صحيح البخاری' كتاب الجهاد' برواية ام حرام بنت ملحان)۔

ترجمہ:۔ میری امت کا پہلا لشکر جو سمندری جنگ کرے گا اس کے لئے مغفرت واجب ہے۔

سیدنا معاویہ کے بارے میں عام طور پر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ سیدنا علی کے مقابلے میں اپنی خلافت قائم کرنا چاہتے تھے' جبکہ دیگر وجوہ کے علاوہ درحقیقت جامع اموی میں آویزاں اور مدینہ سے ارسال شدہ سیدنا عثمان کے خون آلود کرتے اور ان کی اہلیہ سیدہ نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں نیز خط بنام سیدنا معاویہ بسلسلہ شہادت عثمان نے اہل شام کو بیعت علی سے پہلے قصاص عثمان کے مطالبہ پر ابھارا تھا۔ مؤرخ اسلام شاہ معین الدین ندوی قدیم کتب تاریخ کے حوالہ سے سیدنا علی و معاویہ کے مابین جنگ صفین (37ھ) کے سلسلہ میں جس میں ستر ہزار سے زائد مسلمان مقتول ہوئے' لکھتے ہیں کہ جمادی الاولیٰ 37ھ میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی' رجب میں ماہ حرام کی وجہ سے ملتوی ہو گئی:۔

"التوائے جنگ کے بعد خیر خواہاں امت نے پھر صلح کی کوششیں شروع کردیں کہ شاید اسی حد پر یہ خانہ جنگی رک جائے اور مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر برباد نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابودرداء (رض) اور حضرت ابو امامہ باہلی (رض) امیر معاویہ (رض) کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ علی (رض) تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں' پھر تم ان سے کیوں جنگ کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا عثمان کے خون ناحق کے لئے۔ ابو امامہ نے کہا: کیا علی نے عثمان کو قتل کیا ہے؟ امیر معاویہ نے جواب دیا: اگر قتل نہیں کیا ہے تو قاتلوں کو پناہ دی ہے۔ اگر وہ انہیں ہمارے حوالے کردیں تو میں سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا۔

ان دونوں بزرگوں نے واپس جاکر حضرت علی کو معاویہ کا مطالبہ سنایا۔ اسے سن کر حضرت علی کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل پڑے اور نعرہ لگایا کہ ہم سب عثمان کے قاتل ہیں۔ یہ رنگ دیکھ کر دونوں بزرگ ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا"۔

(شاہ معین الدین ندوی' تاریخ اسلام' نصف اول' ص 268-269' بحوالہ الاخبار الطوال للدینوری' ناشران قرآن لمیٹڈ' لاہور)۔

برصغیر کے جلیل القدر عالم و صوفی و مجاہد امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے ایک مکتوب میں "شارح مواقف" کی اصلاح فرماتے ہوئے لکھا ہے:۔

"یہ بات صحت سے مانی ہوئی ہے کہ حضرت امیر معاویہ' حقوق اللہ اور حقوق عباد المسلمین دونوں کو پورا کرتے تھے' وہ خلیفہ عادل تھے۔ حضور نے حضرت امیر معاویہ رضی

اللہ عنہ کے حق میں خصوصی دعا فرمائی:۔

اے اللہ اسے کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے بچا۔ خداوندا اس کو ہادی و مہدی بنا۔

حضور کی یہ دعائیں یقیناً" قبول ہوئیں"۔

(پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' صحابہ کرام مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے آئینے میں' ص 38' لاہور مکتبہ نبویہ' 1991ء)۔

مجدد الف ثانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و کمالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حضرت امام مالک تابعین میں ایک جلیل القدر امام ہیں۔ وہ مدینہ پاک کے ممتاز علمائے حدیث میں مانے جاتے ہیں۔ ان کے علم' تقویٰ پر کسی کو اختلاف نہیں۔ آپ کا یہ فتویٰ ہے کہ حضرت معاویہ اور ان کے رفیق کار حضرت عمرو بن العاص کو گالی دینے والا واجب القتل ہے۔ امیر معاویہ کو گالی دینا حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو گالی دینا ہے۔

یہ معاملہ (اختلافات اور محاربات) صرف حضرت معاویہ کا نہیں' ان کے ساتھ نصف سے زیادہ صحابہ رسول بھی شامل ہیں۔ اس طرح اگر حضرت علی کرم اللہ وجہ سے مخالفت یا اختلاف کرنے والے کو کافر یا فاسق کہا جائے تو امت مسلمہ کے نصف سے زیادہ جلیل القدر صحابہ دائرہ اسلام سے باہر نظر آئیں گے۔ اگر اس نظریہ کو نقل اور عقل کے خلاف ہوتے ہوئے بھی تسلیم کرلیا جائے تو دین کا انجام بجز بربادی کے کیا ہو سکتا ہے؟ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے وضاحت فرمائی ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کی جنگ خلافت کا مسئلہ نہیں تھی۔ یہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا اجتماعی مسئلہ تھا۔ شیخ ابن حجر نے تو اسے اہل سنت کے عقائد کا ایک حصہ قرار دیا ہے"۔

(پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' صحابہ کرام مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے آئینے میں' ص 39)۔

یزید کی پھوپھی سیدہ ام حبیبہ (رملہ) بنت ابی سفیان زوجہ رسول(ص) اور ام المومنین ں' جو ہجرت حبشہ سے پہلے مکہ میں مسلمان ہوکر اپنے شوہر کے ہمراہ حکم نبوی کے مطابق

حبشہ کو ہجرت فرمائی تھیں۔ حبشہ میں ان کا شوہر عیسائی ہو گیا اور اس بناء پر علیحدگی عمل میں آئی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھجوایا اور شاہ حبشہ نجاشیؒ نے نکاح پڑھا کر تحفے تحائف کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب(ص) میں مدینہ منورہ روانہ کیا۔ یہی وہ سیدہ ہیں جنھوں نے محاصرہ امام و خلیفہ ثالث عثمان غنی کے دوران میں اپنی جان خطرہ میں ڈال کر سیدنا عثمان کو پانی کا مشکیزہ اور سامان خورد و نوش پہنچانے کی کوشش فرمائی مگر بلوائیوں نے یہ کوشش ناکام بنا کر واجب الاحترام پردہ دار حرم رسول ام المومنین کے ساتھ بدتمیزی کی۔ پس ام المومنین ام حبیبہ کے تعلق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو سفیان و سیدہ ہند کے داماد' سیدنا یزید و معاویہ کے بہنوئی اور یزید بن معاویہ کے پھوپھا ہیں۔ دیگر اموی و ھاشمی باہمی قرابتیں علاوہ ازیں ہیں۔

یزید کی والدہ سیدہ میسون یمنی عربوں کی مشہور شاخ بنو کلب کے سردار بحدل بن انیف الکلبی کی صاحبزادی تھیں۔ ابن کثیر ان کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"وکانت (میسون) حازمة عظیمة الشان جمالا" وریاسة و عقلا" و دینا"۔(ابن کثیر 'البدایة والنهایة' ج 8' ص 145)۔

ترجمہ :۔ وہ (میسون) عقل و دانش' حسن و جمال' سرداری و دینداری کے لحاظ سے عظیم المرتبت تھیں۔

یزید کی ولادت ایک روایت کے مطابق 22ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق 25ھ میں ہوئی۔ پہلی روایت صحیح تر ہے۔ علامہ ابن کثیر سن 22ھ کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

"وفیها ولد یزید بن معاویة و عبدالملک بن مروان" (البدایة 7/125)۔

ترجمہ :۔ اور اسی سال (22ھ) میں یزید بن معاویہ اور عبدالملک بن مروان کی ولادت ہوئی۔

یزید کا نام اپنے تایا اور جلیل القدر صحابی رسول ﷺ کے از فاتحین شام و امیر دمشق سیدنا یزید بن ابی سفیان کے نام پر رکھا گیا۔

سیدہ میسون کے بطن سے سیدنا معاویہ کی دو بیٹیاں امتہ المشارق اور رملہ بھی پیدا ہوئیں جن میں سے پہلی چھوٹی عمر میں وفات پا گئیں اور دوسری سیدہ رملہ کی شادی سیدنا عثمان غنی کے بیٹے عمرو بن عثمان سے ہوئی۔ اور ان رملہ کی بہو سکینہ بنت حسین تھیں جو زید

بن عمرو بن عثمان کی زوجیت میں آئیں۔

(ابن قتیبہ "کتاب المعارف" مطبوعہ مصر' 1303ھ ' ص 94)۔

تعلیم و تربیت

یزید کا زمانہ رضاعت اپنے ننھیالی قبیلہ کی دایہ کے خیمہ میں اموی و ہاشمی گھرانوں کے دستور کے مطابق بسر ہوا۔ بعد ازاں دستور زمانہ کے مطابق قرآن و حدیث' عربی زبان و ادب' علم الانساب' شعر و خطابت' شہ سواری' فنون حرب وغیرہ ضروری علوم و فنون سے کماحقہ واقفیت حاصل کی۔

اساتذہ میں حجر بن حنظلہ الشیبانی الھذلی نمایاں تھے جو علم الانساب سے خصوصی دلچسپی کی بناء پر دغفل النسابہ کے نام سے معروف تھے۔ بصرہ سے دمشق آکر اقامت اختیار کی تھی اور ابن حجر کی تصریح کے مطابق صحابی رسول (ص) تھے۔

"یقال له صحبة۔ وقال نوح بن حبیب الفرمسی: فیمن نزل البصرة من الصحابة دغفل النسابة"۔

بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صحابی تھے۔ نوح بن حبیب فرمسی کا قول ہے کہ جو صحابہ بصرہ میں مقیم ہوئے ان میں دغفل النسابہ بھی تھے۔

علاوہ ازیں دارالخلافہ دمشق میں موجود اور وہاں تشریف لانے والے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات و استفادہ کے مواقع میسر تھے۔ سیدنا عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم جو رشتے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد اور صحابی بن صحابی تھے۔ اور خلافت فاروقی میں مدینہ سے دمشق آکر مقیم ہوگئے تھے۔ یزید سے شفقت و محبت کا خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ وفات کے وقت یزید کے حق میں ذاتی وصیت فرماگئے۔ ابن حزم لکھتے ہیں:

"عبدالمطلب بن ربیعة بن الحارث بن عبدالمطلب بن هاشم صحابی۔ انتقل الی دمشق وله بهادار۔ فلمامات اوصی الی یزید بن معاویة وهو امیرالمؤمنین وقبل وصیته"۔

(جمهرة الانساب لابن حزم' ص 64)۔

ترجمہ:۔ حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم صحابی تھے۔ وہ

دمشق منتقل ہوگئے تھے اور وہاں ان کا مکان بھی تھا۔ وفات کے وقت یزید بن معاویہ کو جو اس وقت امیرالمومنین تھا' اپنا وصی و وارث بناگئے اور یزید نے ان کی وصیت کو قبول کرلیا۔

حلیہ و صفات یزید

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علی کے چچا زاد بھائی ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس (م 68ھ) یزید کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"وان ابنه يزيد لمن صالحى اهله فالزموا مجالسكم واعطوا بيعتكم"۔

(البلاذری' انساب الاشراف' طبع يروشلم' الجزء الرابع والقسم الثانى' ص ۴' برواية عامر بن مسعود جمحى والامامة والسياسة' طبع 1937ء' ص 213 برواية عتبه بن مسعود)۔

ترجمہ:۔ اور ان کا بیٹا یزید ان کے خاندان کے صالح افراد میں سے ہے' پس اپنی اپنی جگہ لگے رہو اور بیعت کرلو۔

2۔ سیدنا حسن و حسین کے چچازاد اور بہنوئی سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار فرماتے ہیں:۔

"قال ابن جعفر:۔ تلومونني على حسن الراى فى هذا يعنى يزيد"۔

(ابن كثير 'البداية والنهاية' ج 8' ص 220)۔

ترجمہ:۔ ابن جعفر نے فرمایا: تم اس یزید کے بارے میں میری عمدہ رائے پر مجھے کیسے ملامت کرسکتے ہو؟۔

3۔ یزید پر فسق و فجور کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے برادر حسنین سیدنا محمد بن علی' ابن الحنفیہ (م 81ھ) فرماتے ہیں:۔

وقد حضرته واقمت عنده فرايته مواظبا' على الصلاة متحريا' للخير' يسال عن الفقه' ملازما' للسنة"۔

(ابن كثير 'البداية والنهاية' ج 8' ص 243)۔

ترجمہ:۔ میں اس (یزید) کے پاس گیا ہوں اور اس کے پاس مقیم رہا ہوں' پس میں نے اسے نماز کا پابند' کار خیر میں سرگرم' فقہ پر گفتگو کرنے والا اور پابند سنت پایا ہے۔

4۔ علامہ ابن کثیر' یزید کی شخصیت و تعلیم و تربیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"وقد کان یزید فیه خصال محمودة من الکرم و الحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرای فی الملک ۔ وکان ذا جمال حسن المعاشرة"۔

(ابن کثیر' البدایة والنهایة' ج 8' ص 220 و تاریخ الاسلام للذهبی' ج 3' ص 93)۔

ترجمہ:۔ یزید میں حلم و کرم' فصاحت و شاعری' شجاعت اور امور مملکت میں اصابت رائے جیسی قابل تعریف صفات پائی جاتی تھیں۔ نیز وہ خوبصورت اور عمدہ آداب معاشرت کا حامل تھا۔

5۔ شیعہ مصنف ابن ابی الحدید شارح "نہج البلاغہ" لکھتے ہیں:۔

"کان یزید بن معاویة خطیبا' شاعرا' وکان اعرابی اللسان بدوی اللهجة"۔(ابن ابی الحدید' شرح نهج البلاغة' ج 2' ص 824-825)۔

ترجمہ:۔ یزید بن معاویہ خطیب و شاعر تھا' اس کا لب و لہجہ بدوؤں کی طرح فصیح اور عمدہ تھا۔

جسمانی لحاظ سے یزید بلند قامت گورے رنگ کا تھا۔ بقول بلاذری:۔

6۔ "کان ابیض وکان حسن اللحیة خفیفها"۔

(البلاذری' انساب الاشراف' ج 4' ص 3)۔

وہ (یزید) گورے رنگ کا اور ہلکی خوبصورت ڈاڑھی والا تھا۔

عالمی شہرت یافتہ ترک عالم و مورخ حاجی خلیفہ' دیوان یزید بن معاویہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

"اول من جمعه ابو عبدالله محمد بن عمران المرزبانی البغدادی وهو صغیر الحجم فی ثلاث کراریس۔ وقد جمعه من بعده جماعة و زادوا فیه اشیاء لیست له۔ وشعر یزید مع قلته فی نهایة الحسن۔ ومیزت الابیات التی له من الابیات التی لیست له' وظفرت بکل صاحب البیت"۔

(حاجی خلیفة' کشف الظنون عن آسامی الکتب و الفنون' طبع القسطنطینیة' 1360ھ' ج 1' ص 820)۔

ترجمہ:۔ سب سے پہلے اس (دیوان یزید) کو عبداللہ بن محمد بن عمران المرزبانی البغدادی نے جمع کیا' جو کہ چھوٹے حجم کا تین اوراق پر مشتمل تھا۔ ان کے بعد ایک جماعت نے اسے جمع کیا اور اس میں ایسے اشعار کا اضافہ کر دیا جو یزید کے نہیں ہیں۔

اور یزید کی شاعری قلیل ہونے کے باوجود انتہائی عمدہ ہے۔ میں یزید کے اشعار' اور ان اشعار کو جو اس کے نہیں' (مگر اس سے منسوب کر دیئے گئے ہیں) علیحدہ علیحدہ کر چکا ہوں' اور جس جس کا جو شعر ہے' اس شاعر کا نام بھی معلوم کر لیا ہے۔

روایت حدیث

ابن کثیر نے روایت کیا ہے کہ یزید صحابہ سے متصل اعلیٰ طبقہ تابعین میں سے تھا:۔

"وقد ذكره ابو زرعة الدمشقى فى الطبقة"التى تلى الصحابة" وهى العلياء و قال له احاديث"۔(ابن کثیر 'البداية والنهاية' ج 8' ص 227)۔

ترجمہ:۔ ابو زرعہ دمشقی نے یزید کا ذکر صحابہ سے متصل بلند مرتبہ طبقہ تابعین میں کیا ہے' اور بیان کیا ہے کہ اس سے احادیث مروی ہیں۔

1۔ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ:۔

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من يرد الله به خيرا- يفقهه فى الدين "۔(البداية 8/226)۔

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطاء کر دیتا ہے۔

2۔ یزید نے سیدنا ابو ایوب انصاری کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"من مات ولم يشرك بالله شيئا- جعله الله فى الجنة"۔

ترجمہ:۔ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے بغیر وفات پائے تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

حج و زیارت حرمین

یزید نے تین سال (51' 52 اور 53ھ) میں امیرالحج کی حیثیت سے حج کیا۔

"حج بالناس يزيد بن معاوية فى سنة احدى و خمسين وثنتين و

خمسین و ثلاث و خمسین"۔(ابن کثیر 'البدایۃ والنہایۃ' ج 8' ص 229)۔

ترجمہ:۔ یزید بن معاویہ نے سن اکیاون' باون اور ترپن (ہجری) میں لوگوں کو (بحیثیت امیر) حج کرایا۔

ازواج و اولاد

یزید کی پہلی بیوی والدہ معاویہ ثانی بنو کلب میں سے تھیں' ان کے انتقال کے بعد دیگر چار خواتین سے مختلف اوقات میں شادیاں کیں' جن میں 53ھ میں سیدنا حسین کے چچا زاد اور بہنوئی (شوہر سیدہ زینب) سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار کی بیٹی سیدہ ام محمد سے شادی بھی شامل ہے۔ (جمہرۃ الانساب لابن حزم' ص 62)۔ نیز ازواج یزید میں سیدہ ام مسکین بنت عاصم بن عمر فاروق' خالہ عمر بن عبدالعزیز بھی شامل ہیں (ذہبی میزان الاعتدال فی نقد الرجال' ج 3' ص 400 بذیل الکنی للنسوہ)۔ اس طرح کل پانچ شادیاں درج ذیل خواتین سے کیں۔

1۔ والدہ معاویہ ثانی (جو بنو کلب سے تھیں اور باقی شادیاں ان کی وفات کے بعد کیں)۔

2۔ سیدہ فاختہ (حبہ) بنت ابی ھاشم بن عتبہ بن ربیعہ۔

3۔ سیدہ ام کلثوم بنت عبداللہ بن عامر' امویہ قرشیہ۔

4۔ سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار' ھاشمیہ قرشیہ۔

5۔ سیدہ ام مسکین بنت عاصم بن عمر فاروق عدویہ قرشیہ۔

علاوہ ازیں سیدہ آمنہ' زوجہ سیدنا حسین و والدہ علی اکبر (عمر) سیدہ میمونہ بنت ابی سفیان کی بیٹی اور یزید کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ (جمہرہ الانساب' لابن حزم' ص 255' و طبری' ج 13' ص 19)۔

اولاد یزید

یزید کے تیرہ بیٹوں اور چھ بیٹیوں کے نام کتب تاریخ میں ملتے ہیں۔

فرزندان یزید

1۔ معاویہ ثانی (سب سے بڑے اور انتہائی متقی بیٹے تھے منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد رضاکارانہ دستبردار ہوگئے)۔

2۔ خالد 3۔ عبداللہ الاکبر 4۔ ابوسفیان 5۔ عبداللہ الاصغر (لقب الاسوار)

6۔ محمد 7۔ ابوبکر 8۔ عمر 9۔ عثمان 10۔ عبدالرحمن 11۔ عتبہ

12- یزید 13- عبداللہ (اصغرالاصاغر یعنی سب سے چھوٹے مشہور تھے)۔

دختران یزید

1- عاتکہ زوجہ خلیفہ عبدالملک بن مروان۔

2- ام یزید زوجہ الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروان۔

3- رملہ زوجہ عباد بن زیاد۔

4- ام عبدالرحمٰن زوجہ عباد بن زیاد (بعد وفات رملہ)۔

5- ام محمد زوجہ عمرو بن عتبہ بن ابی سفیان۔

6- ام عثمان زوجہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان۔

نمونہ کلام یزید

1- سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات (50ھ) پر سیدنا عبداللہ بن عباس (نبی و علی کے چچازاد) سے دمشق میں تعزیت کرتے ہوئے یزید یوں ہمکلام ہوا:۔

"رحم الله ابا محمد واوسع له الرحمة وافسحها واعظم الله اجرک واحسن عزاک وعوضک من مصابک ماهو خیرلک ثوابا وخیر عقبی"۔

(ابن کثیر 'البدایة والنهایة' ج 8' ص 229)۔

ترجمہ:۔ اللہ ابو محمد (حسن بن علی) پر رحم فرمائے اور ان کے لئے اپنی رحمت کو وسیع و عریض فرمائے۔ آپ کو حسن عزا سے نوازے اور اس مصیبت پر ایسا اجر دے جو آپ کے لئے ثواب و عاقبت کے لحاظ سے بہترین ہو۔

2- محاصرہ قسطنطنیہ کے دوران میں سیدنا ابو ایوب انصاری کا انتقال ہوا اور یزید نے وصیت کے مطابق نماز جنازہ کے بعد قسطنطنیہ کی فصیل کے قریب تدفین شروع کی تو قیصر روم نے قلعہ کے اندر سے سوال کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ یزید نے جواب دیا:۔

"صاحب نبینا وقد سئالنا ان نقدمه فی بلادک ونحن منفذون وصیته اوتلحق ارواحنا بالله"۔(ابن عبد ربه 'العقد الفرید' ج 3' ص 133)۔

ترجمہ:۔ یہ ہمارے نبی کے صحابی ہیں اور انہوں نے ہمیں وصیت فرمائی ہے کہ ہم انہیں تمہارے ملک میں آگے تک لے جا کر دفن کریں۔ ہم ان کی وصیت نافذ کر کے رہیں گے چاہے اس کام میں ہماری ارواح پرواز کر کے خدا سے جا ملیں۔

اس پر قیصر روم نے مسلمانوں کا محاصرہ ختم ہوجانے کے بعد سیدنا ابو ایوب کا جسد مبارک قبر سے باہر نکال پھینکنے کی دھمکی دی جس کے جواب میں امیر لشکر یزید نے "ناسخ التواریخ" کے شیعہ مؤلف کے مطابق قیصر کو مخاطب کرکے کہا:۔

3۔ "یا اهل قسطنطینیة: هذا رجل من اکابر اصحاب محمد(ص) نبینا، وقد دفناه حیث ترون، والله لئن تعرضتم له لاهدمن کل کنیسة فی ارض الاسلام ولا یضرب ناقوس بارض العرب ابدا"۔

(میرزا محمد تقی سپهر کاشانی، ناسخ التواریخ، جلد دوم، کتاب دوم، ص 66)۔

ترجمہ:۔ اے اہل قسطنطنیہ یہ ہمارے نبی محمد(ص) کے اکابر صحابہ میں سے ایک ہستی ہیں۔ ہم نے انہیں اس جگہ دفن کیا ہے جو تمہیں نظر آرہی ہے۔ خدا کی قسم اگر تم نے ان کی قبر کی بے حرمتی کی تو میں عالم اسلام کے تمام گرجے منہدم کروادوں گا اور سرزمین عرب میں تاقیامت گرجوں کی گھنٹیاں نہ بج پائیں گی۔

اس پر قیصر نے معذرت کی اور قبر کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ ابن سعد لکھتے ہیں:۔

"توفی ابو ایوب عام غزا یزید ب معاویة القسطنطینیة فی خلافة ابیه سنة 52ھ۔ وصلی علیه یزید بن معاویة، وقبره باصل حصن القسطنطینیة بارض الروم۔ ان الروم یتعاهدون قبره و یزورونه و یستسقون به اذا قحطوا"۔(طبقات ابن سعد، ص 215)۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو ایوب انصاری کا انتقال اس سال ہوا جب یزید بن معاویہ نے اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ ان کی نماز جنازہ یزید نے پڑھائی اور ان کا مزار ارض روم میں قسطنطنیہ کی فصیل تلے ہے۔ رومی (عیسائی) آپ کے مزار پر باہم معاہدے کرنے آتے ہیں۔ قبر کی زیارت کرتے ہیں اور قحط کے زمانے میں آپ کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگتے ہیں۔

4۔ ایک روایت کے مطابق سیدنا معاویہ (م رجب 60ھ) کی نماز جنازہ یزید نے پڑھائی۔ چنانچہ محمد بن اسحاق اور امام شافعی کی روایت کے مطابق ایسا ہی ہوا۔

"فصلی علیه ابنه یزید" (ابن کثیر، البدایة والنهایة 143/8)۔

ترجمہ:۔ پس آپ کی نماز جنازہ آپ کے بیٹے یزید نے پڑھائی۔
سیدنا معاویہ کی تجہیز و تکفین ان کی وصیت کے مطابق عمل میں آئی۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ:۔

"ان یکفن فی ثوب رسول الله صلی الله علیه وسلم الذی کساه ایاه وکان مدخرا" عنده لهذا الیوم۔ وان یجعل ما عنده من شعره وقلامة اظفاره فی فمه و انفه و عینیه واذنیه"۔(ابن کثیر 'البدایة 143/8)۔

ترجمہ:۔ حضرت معاویہ نے وصیت فرمائی کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ کپڑے میں کفنایا جائے جو اس روز کے لئے انہوں نے سنبھال رکھا تھا۔ اور آپ(ص) کے جو بال اور ناخن مبارک ان کے پاس محفوظ ہیں، وہ ان کے منہ، ناک، آنکھوں اور کانوں میں رکھ دیئے جائیں۔

دوسری روایت کے مطابق سیدنا معاویہ کے انتقال (بروایت اصح 22 رجب 60ھ) کی خبر سن کر یزید حوارین سے دمشق پہنچا، قبر پر نماز جنازہ ادا کی، شہر آکر الصلاۃ جامعۃ کا اعلان کرایا۔ اپنی اقامت گاہ خضراء میں غسل کیا، لباس سفر بدلا، پھر باہر آکر خطبہ دیا، ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

"ثم خرج فخطب الناس اول خطبة وهو امیرالمومنین فقال بعد حمد الله و الثناء علیه:۔

ایها الناس! ان معاویة کان عبدا" من عبیدالله، انعم الله علیه ثم قبضه الیه۔ وهو خیر ممن دونه و دون من قبله۔ ولا ازکیه علی الله عزوجل، فانه اعلم به، ان عفا عنه فبرحمته وان عاقبه فبذنبه، وقد ولیت الامر من بعده۔(ابن کثیر 'البدایة والنهایة' ج 8، ص 143)۔

ترجمہ:۔ پھر وہ (یزید) باہر آیا اور امیرالمومنین کی حیثیت سے لوگوں کو پہلا خطبہ دیا۔ پس حمد وثنائے خداوند کے بعد کہنے لگا:۔

لوگو! معاویہ بندگان خدا میں سے ایک بندے تھے۔ اللہ نے ان پر انعام فرمایا، پھر انہیں اپنے پاس بلالیا۔ وہ اپنے بعد والوں سے بہتر اور اپنے سابقین (ابوبکر و عمر و عثمان) سے کمتر مقام کے حامل تھے۔ لیکن میں اللہ عزوجل کے سامنے ان کی صفائی پیش کرنے کے لئے یہ نہیں کہہ رہا، یقیناً اللہ ان کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ اگر وہ ان سے درگزر فرمائے تو یہ اس

کی رحمت ہے۔ اور اگر وہ گرفت فرمائے تو یہ ان کی خطاؤں کی وجہ سے ہوگا۔ اور اب ان کے بعد خلافت کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی ہے۔

خطبات یزید بحیثیت امام و خلیفہ بمناسبت جمعہ و عیدین وغیرہ

امام شہاب الدین المعروف بہ ابن عبد ربہ الاندلسی (م 328ھ) نے اپنی مشہور کتاب "العقد الفرید" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعد سیدنا ابوبکرو عمرو علی و معاویہ رضی اللہ عنہم کے خطبات درج کئے ہیں۔ ان کے ساتھ یزید کے بحیثیت خلیفہ چند خطبات بھی درج ہیں، جن میں سے یزید کے علم و خطابت اور اسلوب بیان کی نشاندہی کے لئے ایک خطبہ درج ذیل ہے:۔

"الحمدلله احمده و استعينه واومن به واتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له۔ واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له وان محمدا۔ عبده و رسوله۔ اصطفاه لوحيه و اختاره لرسالته وكتابه وفضله و اعزه واكرمه و نصره و حفظه، ضرب فيه الامثال و حلل فيه الحلال، وحرم فيه الحرام، و شرع فيه الدين اعذارا و انذارا۔ لئلايكون للناس حجة بعد الرسل ويكون بلاغا۔ لقوم عابدين۔

او صيكم عباد الله بتقوى الله العظيم الذى ابتدا الامور بعلمه، واليه يصير معارها، وانقطاع مدتها، وتصرم دارها۔

ثم انی احذر كم الدنيا فانها حلوة خضرة، حفت بالشهوات و راقت بالقليل، واينعت بالفانى، و تحببت بالعاجل، لا يدوم نعيمها، ولا يؤمن فجيعها، اكالة غوالة غرارة لاتبقى على حال، ولايبقى لها حال، لن تعدوا الدنيا، اذا تناهت الى امنية اهل الرغبة فيها، والرضا بها ان تكون كما قال الله عزوجل:۔

(اضرب لهم مثل الحيوة الدنيا كماء انزلناه من السماء فاختلط به نبات الارض فاصبح هشيما۔ تذروه الرياح وكان الله على كل شئى مقتدرا۔

ونسئال ربنا والهنا وخالقنا و مولانا ان يجعلنا واياكم من فزع يومئذ آمنين۔

ان احسن الحديث و ابلغ الموعظة كتاب الله يقول الله به:۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون۔

اعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

لقد جاء كم رسول من انفسكم عزيز عليه ماعنتم حريص عليكم بالمؤمنين رئوف رحيم۔ فان تولوا فقل حسبى الله لا اله الا هو عليه توكلت وهو رب العرش العظيم"۔

(ابن عبد ربه' العقد الفريد' ج 4' ص 378' مطبوعه مصر' 1353ھ)۔

ترجمہ:۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں' میں اسی کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ اور ہم اپنے نفسوں کی شرارت اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں' جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ وحدہ لا شریک ہے۔ اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں جنہیں اس نے اپنی وحی کے لئے منتخب فرمایا اور اپنی رسالت' اپنی کتاب اور اپنے فضل کے لئے انہیں اختیار کیا۔ انہیں عزت و کرامت بخشی' ان کی مدد و حفاظت فرمائی اور قرآن میں مثالیں بیان کیں۔ اس میں حلال کو حلال اور حرام کو حرام ٹھہرایا' شرائع دین بیان کئے' اعذار و انذاز کئے تاکہ پیغمبروں کے آجانے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ کے خلاف حجت قائم کرنے کا موقع نہ رہے۔ اور اہل عبادت تک یہ پیغام پہنچ جائے۔

میں تمہیں خدائے بزرگ و برتر کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں جس نے اپنے علم سے امور کی ابتداء فرمائی اور عاقبت امور اسی کی طرف لوٹتی ہے اور انقطاع مدت و تصرم دار اسی کی جانب ہے۔

اس کے بعد میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں جو سرسبز و شیریں ہے۔ جسے خواہشات نفسانی سے گھیر دیا گیا ہے۔ تھوڑے پر قناعت نہیں کرتی اور فانی چیزوں سے انس رکھتی ہے'

اور جلد بازی سے محبت رکھتی ہے' جس کی نعمتیں ہمیشہ نہیں رہتیں اور جس کے حوادث سے امان نہیں۔ دنیا موذی' ڈائن' دھوکا باز ہے' نہ تو کسی ایک حالت پر اسے قرار ہے اور نہ اس کے لئے کوئی حالت ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ دنیا سے رغبت رکھنے والوں کے ساتھ دنیا باقی نہیں رہتی اور نہ خود سے راضی رہنے والوں کا ساتھ دیتی ہے۔ اس کی صورت حال وہی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:۔

(اے پیغمبر) ان کے لئے دنیاوی زندگی کی مثال بیان کردیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی' پھر وہ ریزہ ریزہ ہوجائے کہ اسے ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ (الکھف: 45)۔

ہم اپنے رب و مولیٰ اور الٰہ و خالق سے التجا کرتے ہیں کہ وہ روز قیامت کی پریشانی سے محفوظ رکھے۔

یقیناً بہترین کلام اور بلیغ ترین وعظ و نصیحت اللہ کی کتاب ہے' جس کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ:۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ اور خاموشی سے سنو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الاعراف: 204)۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بے شک تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر آگیا ہے۔ جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری بھلائی کی حرص رکھتے ہیں' پس اگر وہ لوگ پلٹ جائیں تو کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں' میں نے اسی پر توکل کیا اور وہی عرش عظیم کا رب ہے (التوبہ: 128-129)۔

یزید کے آخری حالات اور وفات

یزید (22-64ھ) نے تقریباً انیس سال کی عمر سے انتالیس (39) سال کی عمر تک بیس سال اپنے والد سیدنا معاویہ کی خلافت (41-60ھ) میں گزارے اور بحیثیت خلیفہ زادہ و ولی عہد امور سلطنت سرانجام دیئے۔ پھر 22 رجب 60ھ کو سیدنا معاویہ کی وفات کے بعد پونے چار سال تک تقریباً چھپن لاکھ مربع میل پر محیط اسلامی سلطنت کے امور خلافت سرانجام دیئے۔ (22 رجب 60ھ تا 14 ربیع الاول 64ھ)۔

یزید کا انتقال صحیح تر روایت کے مطابق 14 ربیع الاول 64 ھ کو عارضہ نقرس کی وجہ سے حوارین میں ہوا جو تدمر اور دمشق کے درمیان ایک پر فضا مقام ہے۔ بڑے بیٹے معاویہ ثانی نے نماز جنازہ پڑھائی اور واقدی کی روایت کے مطابق دمشق لاکر والد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

"وقال الواقدی: دفن یزید بدمشق فی مقبرة باب الصغیر، ومات بحوارین، فحمل علی ایدی الرجال الیها وفیها دفن ابوه معاویة"۔
(البلاذری، انساب الاشراب، ج ۴، ص 60)۔

ترجمہ :۔ واقدی کا کہنا ہے کہ یزید کو دمشق کے قبرستان "باب الصغیر" میں جہاں اس کے والد حضرت معاویہ کو دفن کیا گیا تھا، دفن کیا گیا۔ اس کی وفات حوارین میں ہوئی تھی چنانچہ لوگوں نے کندھوں پر اٹھاکر جنازہ قبرستان تک پہنچایا۔
تاہم ابوبکر بن حنظلہ کے مرثیہ یزید سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدفن دمشق نہیں، حوارین ہے مگر پہلی روایت صحیح تر قرار دی جاتی ہے کیونکہ اس مرثیہ کے اشعار میں حوارین میں صرف وفات پانے کا ذکر ہے۔

خلافت یزید و بیعت صحابہ و اہل بیت (رض)

امامت و خلافت یزید (رجب 60 ھ۔ ربیع الاول 64ھ) کے زمانہ میں مکہ و مدینہ، کوفہ و بصرہ اور مصر و شام سمیت پورے عالم اسلامی میں صحابہ کرام کی کثیر تعداد موجود تھی جن میں سے ڈیڑھ سو سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی کتب تاریخ و سیرت میں موجود ہیں اور ان میں سے متعدد اکابر صحابہ و اہل بیت کے اقوال حق یزید بھی موجود ہیں۔
ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یزید کی امامت و خلافت کی بیعت کی، واقعہ کربلا و حرہ کے بعد بقید حیات اصحاب رسول (ص) نے وفات یزید تک اسے برقرار رکھا، جن میں سیدنا عبداللہ بن عباس ہاشمی قرشی، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار ہاشمی قرشی، سیدنا عبداللہ بن عمر عدوی قرشی، داماد سید الشہداء حمزہ و فرزند ام المومنین ام سلمہ سیدنا سلمہ بن ابی سلمہ مخزومی قرشی اور ان کے بھائی ربیب رسول عمر بن ابی سلمی مخزومی، سیدنا عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب الھاشمی القرشی، سیدنا عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب الھاشمی القرشی، خواہر زادہ ام المومنین سیدہ میمونہ، عبداللہ بن شداد بن الھاد اللیثی اور سیدنا عبداللہ

بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب الھاشمی القرشی بھی شامل ہیں۔ (نیز غیر صحابی یعنی تابعین اہل بیت و بنی ہاشم میں سے سیدنا محمد بن علی الھاشمی القرشی (ابن الحنفیہ) اور واقعہ کربلا کے بعد سیدنا علی زین العابدین سرفہرست ہیں)۔ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

"فاتسقت البیعة لیزید فی سائر البلاد ووفدت الوفود من سائر الاقالیم الی یزید (ابن کثیر 'البدایة والنھایة' ج 8' ص 220)۔

ترجمہ:۔ پس یزید کی بیعت تمام علاقوں میں کرلی گئی ور تمام اقالیم سلطنت سے وفود یزید کے پاس حاضر ہوئے۔

علامہ سید محمود احمد عباسی ہاشمی صحابہ کرام کی بیعت یزید کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

"حضرت حسین کے اقدام خروج کے وقت جیسا کہ پہلے ضمناً ذکر ہوچکا ہے' حجاز و عراق و دیگر ممالک اسلامیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی وہ بزرگ و مقدس ہستیاں موجود و ضوفشاں تھیں جنھوں نے سالہا سال شمع نبوت سے براہ راست اخذ نور کیا تھا۔ ان میں سے متعدد وہ حضرات بھی تھے جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات اور آپ کے بعد جہادوں میں شریک ہوکر باطل قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ وہ کسی حالت میں بھی نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ کسی جابر کی جبروت کو خاطر میں لاسکتے تھے مگر ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج میں حضرت حسین کا ساتھ کسی طرح نہیں دیا۔ مئولف "اتمام الوفافی سیرة الخلفاء" لکھتے ہیں:۔

وقد کان فی ذلک العصر کثیر من الصحابة بالحجاز و بالشام والبصرة والکوفة و مصر' و کلھم لم یخرج علی یزید ولا وحده ولا مع الحسین۔

ترجمہ:۔ اس زمانے میں حجاز و شام و بصرہ و کوفہ و مصر میں صحابہ کی کثیر تعداد موجود تھی مگر ان سب نے نہ تو اپنے طور پر اور نہ ہی حضرت حسین سے مل کر یزید کے خلاف خروج کیا۔

(محمود احمد عباسی' خلافت معاویہ و یزید' ص 129۔130' کراچی جون 1961ء)۔

خلافت یزید (رجب 60ھ) سے پہلے 56ھ میں بقول ابن کثیر و دیگر مئورخین یزید کی ولی

عہدی کی بیعت لی گئی تو اس وقت 56 لاکھ مربع میل پر محیط پورے عالم اسلام نے ولایت و خلافت یزید کی بیعت کرلی۔ جن میں کم و بیش تمام صحابہ و تابعین بھی شامل تھے۔ 56ھ کے واقعات میں ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

"وفیها دعا معاویة الناس الی البیعة لیزید ولده ان یکون ولی عهده من بعده۔ فبایع له الناس فی سائر الاقالیم الا عبدالرحمن بن ابی بکر و عبدالله بن عمر والحسین بن علی وعبدالله بن الزبیر وابن عباس"۔

(ابن کثیر 'البدایة والنهایة' ج 8' ص 86)۔

ترجمہ:۔ اور اسی سال (56ھ) میں حضرت معاویہ نے لوگوں کو اپنے بعد (خلافت) کے لئے اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی دعوت دی۔

پس تمام اقالیم سلطنت میں لوگوں نے اس کی بیعت کرلی۔ سوائے عبدالرحمٰن بن ابی بکر' عبداللہ بن عمر' حسین بن علی' عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس کے۔

صحابہ کرام کی غالب اکثریت کے برعکس ولایت و خلافت یزید سے اختلاف کرنے والے مذکورہ پانچ حضرات میں سے سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا سن وفات اختلافی ہے۔ بقول ابن الاثیر:۔

"وذکر عبدالرحمن بن ابی بکر لایستقیم علی قول من یجعل وفاته سنة ثلاث و خمسین وانما یصح علی قول من یجعلها بعد ذلک الوقت"۔

(ابن الاثیر 'الکامل فی التاریخ' ج 3' ص 252)۔

ترجمہ:۔ اور اس سلسلہ میں عبدالرحمان بن ابی بکر کا ذکر ان لوگوں کے قول کے مطابق درست قرار نہیں پاتا جو ان کا سن وفات 53ھ بتاتے ہیں۔ یہ صرف ان لوگوں کے قول کی رو سے درست قرار پائے گا جو ان کا سن وفات بعدازاں (58ھ بحوالہ ابن کثیر البدایہ) بتلاتے ہیں۔

بہرحال یہ بات متفق علیہ ہے کہ سیدنا عبدالرحمان بن ابوبکر خلافت یزید سے پہلے وفات پاچکے تھے' اور کئی روایات کے مطابق بیعت ولایت یزید سے بھی پہلے (53ھ میں) وفات پاچکے تھے۔ علاوہ ازیں سیدنا عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر کی بیعت یزید اور اقوال بحق یزید ثابت شدہ حقیقت ہیں۔ نیز سیدنا حسین کی جانب سے کوفہ میں خلافت حسینی کے قیام کی

کوشش شیعان کوفہ کی غداری اور بیعت ابن زیاد کی وجہ سے ناکام ہو جانے کے بعد امیر لشکر عمر بن سعد کو مدینہ واپسی، سرحدوں کی طرف روانگی، یا اپنے چچا زاد یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی سہ نقاطی پیشکش مستند کتب تاریخ اہل تسنن و تشیع میں مشہور و معروف ہے، جسے ابن زیاد نے یزید کو اطلاع دیئے بغیر اور ابن سعد کے مشورہ کے برعکس پہلے اپنی بیعت سے مشروط کر کے صورت حال بگاڑ دی۔ مگر کربلا میں حسینی پیشکش کے تسلسل میں واقعہ کربلا کے بعد سیدنا علی زین العابدین نے نہ صرف بیعت یزید کی بلکہ مدینہ میں ایک طبقے کی بغاوت (واقعہ حرہ) کے بعد بھی اپنے اہل بیت اور اکابر قریش و بنی ہاشم کے ہمراہ اسے سختی سے برقرار رکھ کر یزید کے حق میں کلمہ خیر کہا۔ (وصل اللہ امیر المومنین)۔ کیونکہ یزید نے امیر لشکر مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو زین العابدین کے خط بنام یزید کے حوالہ سے ان سے خصوصی حسن سلوک کی ہدایت کی تھی۔

البتہ نواسہ ابی بکر و برادر زادہ نبی و علی سیدنا عبداللہ بن زبیر نے وفات یزید تک بیعت یزید نہیں کی بلکہ مکہ کو مرکز بنا کر بالآخر وفات یزید کے بعد حجاز و عراق سمیت عالم اسلام کے بہت بڑے حصے پر اپنی خلافت (64-73ھ) قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

یزید کی نامزدگی برائے خلافت کے سلسلہ میں عالمی شہرت یافتہ عالم و مؤرخ علامہ محمد بن عبدالرحمٰن ابن خلدون (م 808ھ) لکھتے ہیں:-

"اولاً" تو معاویہ (رض) کا لوگوں کے عمومی اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے، اور پھر انہیں متہم یوں بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے پیش نظر یزید کو ترجیح دینے سے بجز اس کے کچھ نہیں تھا کہ امت میں اتفاق و اتحاد قائم رہے، اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اہل حل و عقد میں اتفاق ہو، اور اہل حل و عقد صرف یزید ہی کو ولی عہد بنانے پر متفق ہوسکتے تھے، کیونکہ وہ عموماً" بنی امیہ میں سے تھے اور بنی امیہ اس وقت اپنے میں سے باہر کسی کی خلافت پر راضی نہیں ہوسکتے تھے۔ (اور ان کی نارضامندی سخت افتراق و انتشار کا باعث ہوتی)۔ کیونکہ وہ قریش بلکہ پوری ملت کا سب سے بڑا با اثر اور طاقتور گروہ تھا۔ ان نزاکتوں کے پیش نظر معاویہ نے یزید کو ولی عہدی کے لئے ان حضرات پر ترجیح دی جو اس کے زیادہ مستحق سمجھے جاتے تھے، اور افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا، تاکہ مسلمانوں میں جمعیت اور اتفاق باقی رہے، جس کی شارع کے نزدیک بے حد اہمیت ہے۔

قطع نظر اس کے کہ حضرت معاویہ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جاسکتی کیونکہ آپ کی صحابیت اور صحابیت کا لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے' آپ کے اس فعل کے وقت سینکڑوں صحابہ کا موجود ہونا اور اس پر ان کا سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس امر میں حضرت معاویہ کی نیک نیتی مشکوک نہیں تھی۔ کیونکہ یہ صحابہ کرام حق کے معاملہ میں چشم پوشی اور نرمی کے کسی طرح بھی روادار نہیں ہو سکتے تھے۔ اور نہ معاویہ ہی ایسے تھے کہ قبول حق میں حب جاہ ان کے آڑے آجاتی۔ یہ سب اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوری سے یقیناً مانع ہے"۔

(مقدمہ ابن خلدون' ولی عہدی کا بیان' ص 175-176' طبع مصر)۔

ابن خلدون خلفاء اربعہ کے بعد بدلے ہوئے حالات میں سیدنا معاویہ کے اقدام کو درست قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"پس اگر معاویہ کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین بناجاتے جس کو (بنو امیہ) کی عصبیت نہ چاہتی ہوتی (خواہ دین اسے کتنا ہی پسند کرتا) تو ان کی یہ کارروائی یقیناً الٹ دی جاتی۔ نظم خلافت درہم برہم ہوجاتا اور امت کا شیرازہ بکھر جاتا۔ تم نہیں دیکھتے کہ مامون الرشید (عباسی خلیفہ) نے زمانے کی تبدیلی کا یہ حکم نظرانداز کرکے علی بن موسیٰ بن جعفرالصادق کو اپنا ولی عہد نامزد کردیا تھا' تو کیا نتیجہ ہوا۔ عباسی خاندان نے پورے معنی میں بغاوت کردی۔ نظام خلافت درہم برہم ہونے لگا' اور مامون کو خراسان سے بغداد پہنچ کر معاملات کو قابو میں کرنا پڑا"۔ (مقدمہ ابن خلدون' طبع مصر' ص 176)۔

یزید کو ولی خلافت نامزد کرنے میں بنیادی طور پر سیدنا معاویہ کے پیش نظر وسیع تر مفاد امت تھا۔ چنانچہ ابن کثیر کی روایت کے مطابق سیدنا معاویہ نے ایک روز خطبہ دیتے ہوئے دعا فرمائی:۔

"اللهم ان كنت تعلم انى وليته لانه فيما اراه اهل لذلك فاتمم له ماوليته' وان كنت وليته لانى احبه فلا تتم له ماوليته"۔

(ابن كثير' البداية والنهاية' ج 8' ص 87)۔

ترجمہ:۔ اے اللہ اگر تیرے علم کے مطابق میں نے اس (یزید) کو اس لئے ولی خلافت مقرر کیا ہے کہ وہ میری رائے میں اس کی اہلیت رکھتا ہے تو اس کی ولایت عہد کو پایہ تکمیل

تک پہنچا۔ اور اگر میں نے محض اس سے محبت رکھنے کی وجہ سے اسے ولی خلافت مقرر کیا ہے تو پھر تو اس کو خلافت سے محروم رکھ۔

اکابر اہل تشیع سمیت جن سینکڑوں صحابہ کرام نے خلافت یزید کی بیعت کی اور اسے آخر تک برقرار رکھا' ان کے نام قلمبند کرتے ہوئے امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی مجددی نقشبندی کے پوتے اور معروف عالم و مصنف مولانا عبدالعلی فاروقی لکھنوی فرماتے ہیں:۔

"بیعت کرنے والوں میں اکابر صحابہ بھی تھے۔ تابعین عظام بھی' پھر اصحاب کرام میں اصحاب بدر بھی تھے' اصحاب بیعت الرضوان بھی' اور اصحاب بیعت عقبہ اولی بھی۔ چنانچہ بیعت کرنے والے ممتاز اصحاب رسول(ص) میں سے چند یہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت ابو سعید خدری' حضرت جابر بن عبداللہ' حضرت کعب بن عمر' حضرت صہیب بن سنان' حضرت ابو ہریرہ' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص' حضرت عمرو بن ابی سلمہ' حضرت عبداللہ بن جعفر' حضرت نعمان بن بشیر' حضرت عوف بن مالک' حضرت ابو امامہ باہلی' حضرت ضحاک بن قیس' حضرت مالک بن حویرث' حضرت عمر بن امیہ' حضرت عقبہ بن نافع' حضرت عقبہ بن عامر' حضرت مقدام بن معدیکرب' حضرت ثابت بن ضحاک وغیرھم۔

یہ اور ان سے زائد دیگر اصحاب رسول(ص)' تابعین عظام اور صلحائے امت کے یزید کی امارت کو تسلیم کرکے اس کی بیعت کرلینے سے درج ذیل نتائج بدیہی طور پر سامنے آتے ہیں۔

1۔ حضرت معاویہ نے یزید کی بیعت جبراً نہیں لی تھی ورنہ اتنی بڑی تعداد میں خیرالقرون کے افراد اس بیعت پر اتفاق نہ کرتے' اور اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حضرت معاویہ اتنے بڑے زور دست تھے کہ ان کے سامنے کسی کا زور نہ چل سکا' تو ان کی وفات کے بعد ان سب ہی کو یا کم از کم ان کی بڑی تعداد کو یزید کی بیعت توڑ دینا چاہیے تھی۔

2۔ حضرت معاویہ کا یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا کوئی غیر شرعی یا غیر اخلاقی کام نہ تھا۔ بلکہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے امت کے مفاد کا یہی بہترین تقاضہ تھا اور اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو صحابہ کرام جیسی پاک باز جماعت کی ایک بڑی تعداد کو حق سے منحرف اور

مداہنت کار تسلیم کرنا پڑے گا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

3۔ یزید بن معاویہ اونچے درجے کا متقی و پرہیزگار شخص نہ سہی، لیکن سبائی پروپیگنڈے اور من گھڑت روایتوں کے ذریعہ یزید کے فسق و فجور اور حدود اللہ سے تجاوز کی جو کہانیاں بیان کی جاتی ہیں اور جس طرح اسلام کی "قانونی خلافت و امارت" کے لئے اسے نااہل گردانا جاتا ہے، یزید کے ہم عصر صحابہ (رض) و تابعین کی غالب اکثریت اسے غلط اور بے اصل سمجھتی تھی، ورنہ یہ ماننا ہوگا کہ یہ "اخیار امت" حمیت دینی اور شعور ملی سے محروم تھے، اس لئے انہوں نے ایک "فاسق و نااہل" فرد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی؟ الخ"۔

(مولانا عبدالعلی فاروقی، تاریخ کی مظلوم شخصیتیں، بحوالہ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اگست 1992ء، ص 26-27 و راجع، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، مطبوعہ ملتان، میسون پبلی کیشنز، حصہ دوم، ص 269-270)۔

مولانا عبدالعلی فاروقی یہ بھی فرماتے ہیں:-

"باپ کے بعد بیٹے کی امارت قائم ہونے یا باپ کے اپنے بیٹے کو امارت کے لئے نامزد کرنے کی کہیں کوئی ممانعت نہیں ہے، اور کسی گری پڑی روایت سے بھی اس ممانعت کا ثبوت نہیں فراہم کیا جاسکتا ہے۔ پھر حضرت معاویہ اور یزید سے پہلے حضرت علی اور ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت حسن کی خلافت قائم ہونا اور اس پر کسی بھی حلقہ کی طرف سے یہ اعتراض نہ ہونا کہ باپ کے بعد بیٹے کی امارت اسلامی قانون کے لحاظ سے غلط ہے، امت کے اس اجتماع کو ثابت کرتا ہے کہ باپ کے بعد بیٹے کا امیر ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جب حضرت علی سے ان کے آخر وقت میں یہ دریافت کیا گیا کہ کیا ہم آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت کرلیں تو اس کے جواب میں حضرت علی نے فرمایا:-

میں نہ تم کو اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں، تم لوگ خود اچھی طرح دیکھ سکتے ہو (البدایہ والنھایہ، ج 7، ص 327)۔

حضرت علی کے اس جواب سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ وہ بھی باپ کے بعد بیٹے کی امارت و خلافت میں کسی قسم کی قباحت نہیں سمجھتے تھے۔ ورنہ وہ یہ جواب نہ دے کر یہ کہتے کہ یہ طریقہ اسلامی قانون کے لحاظ سے غلط ہے اس لئے تم لوگ ایسا نہ کرنا۔ یا کم سے کم یہ کہتے کہ:- میرے لئے اپنے بیٹے کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد کرنا اسلامی قانون کے لحاظ

سے جرم ہے' اس لئے میں یہ کام نہیں کر سکتا۔

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے' کہ حضرت علی سے یہ دریافت کرنے والے ایک صحابی رسول(ص) حضرت جندب بن عبداللہ تھے اگر باپ کا اپنے بیٹے کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد کرنا اسلامی قانون کے خلاف ہوتا تو حضرت جندب خود ہی اس سلسلہ میں حضرت علی سے استفسار نہ کرتے"۔

(عبدالعلی فاروقی' تاریخ کی مظلوم شخصیتیں' باب حضرت معاویہ' مطبوعہ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ' اگست 1992ء' ص 22)۔

باپ کے بعد بیٹے کی امامت و خلافت کے حوالہ سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اہل تشیع کے عقیدہ کی رو سے تو یہ بات لازم و ملزوم ہے کہ باپ کے بعد بیٹا ہی حکم خداوندی کے باعث منصب امامت و خلافت پر فائز ہوتا ہے۔ لہٰذا باپ کے بعد بیٹے کی امامت و خلافت فی نفسہ قابل بحث قرار نہیں دی جاسکتی۔

اسی سلسلہ میں ممتاز عالم و مصنف جناب خالد مسعود' تلمیذ مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:۔

"5۔ مدینہ میں اسلامی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی مملکت اسلامیہ میں اسلامی شریعت کا نفاذ ہو گیا تھا۔ منصب قضا پر فائز لوگوں کا انتخاب اہل علم و تقویٰ میں سے ہوتا۔ پورے دور بنی امیہ میں اسلامی قانون نافذ رہا اور اس سے کوئی انحراف نہیں ہوا۔ لہٰذا اس دور میں حکومت کے ساتھ کفر و اسلام کے معرکے پیش آنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ اگر شریعت سے انحراف کی کوئی صورت پیدا ہوئی ہوتی تو اموی دور کے دو تہائی عرصہ تک بڑے جلیل القدر صحابہ ابھی زندہ تھے۔ ان کا وجود اس بات کی ضمانت ہے کہ ان کے سامنے کسی حکومت سے کفر بواح کا صدور نہیں ہوا' ورنہ وہ اس کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہ کرتے۔

6۔ حکومت میں باپ کے بعد بیٹے کا جانشین ہونا خلاف شرع نہیں۔ سیدنا عمر نے اپنی جانشینی کا فیصلہ کرنے والی کمیٹی میں حضرت عبداللہ بن عمر کو بھی رکن نامزد کیا تھا' وہ مشورہ میں شریک تھے لیکن حضرت عمر کی ہدایت کے مطابق خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ اس لئے نہیں کہ ایسا کرنا خلاف شرع ہوتا' بلکہ اس لئے کہ حضرت عمر کے بقول بار خلافت کی جوابدہی کے لئے خاندان بنی عدی میں سے تنہا حضرت عمر ہی کافی تھے۔ اسی طرح حضرت علی کی

جانشینی کے لئے ان کے صاحبزادے حضرت حسن کا انتخاب کیا گیا حالانکہ ان سے اہل تر اور زیادہ تجربہ کار معمر صحابہ موجود تھے۔

خاص واقعہ کربلا میں اس امر پر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت حسین (رض) کے کوفہ جانے کے فیصلہ سے متعدد صحابہ نے اختلاف کیا۔ اس لئے نہیں کہ وہ خدانخواستہ اسلام کے بہی خواہ نہ تھے' بلکہ دین کے ان وفادار و جانثار خادموں کی نگاہ میں حقائق وہ نہیں تھے جو حضرت حسین کو بتائے گئے تھے۔

8۔ اصل صورت حال سے مطلع ہو کر حضرت حسین کا تین شرائط پیش کرنا بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اس اقدام کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اقدام کو کفر و اسلام کے معرکہ کی حیثیت نہیں دے رہے تھے بلکہ اب وہ اس غلط فہمی سے نکل آئے تھے جس میں مبتلا کئے گئے تھے۔ ورنہ کفر کے مقابل میں اسلام کے حق میں اٹھایا ہوا قدم واپس لینے کے کیا معنی؟"

(ماہنامہ تدبر لاہور' اگست 1992ء اقتباس از مقالہ جناب خالد مسعود بعنوان صدر اول کی تاریخ کے لئے چند رہنما نکات)۔

اسماء صحابہ کرام (رض) بیعت کنندگان امامت و خلافت یزید (60۔ 64ھ)

56ھ میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کرنے والے ڈھائی سو سے زائد صحابہ کرام میں سے ڈیڑھ سو سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین زمانہ امامت و خلافت یزید (رجب 60۔ ربیع الاول 64ھ) میں موجود و بقید حیات تھے۔ اکابر قریش و بنی ہاشم سمیت ڈیڑھ سو سے زائد یہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے امامت و خلافت یزید کی بیعت کی اور اس کے خلاف کسی خروج میں حصہ نہیں لیا' ان کے اسماء گرامی بترتیب ہجائی درج ذیل ہیں۔

اصحاب بدر (رض)

1۔ ابو اسید مالک بن ربیعہ انصاری ساعدی --- (م 60ھ)

2۔ ابو سلمہ سائب بن خلاد انصاری خزرجی --- (م در خلافت عبدالملک)

3۔ ابو عبداللہ جابر بن عتیک انصاری سلمی --- (م 71/61ھ)

4۔ ابو فراس ربیعہ بن کعب بن مالک اسلمی --- (م 63ھ)

5۔ ابو نملہ بن معاذ بن زرارہ انصاری --- (م در خلافت عبدالملک)

6۔ جابر بن عبداللہ بن عمرو انصاری سلمی --- (م بعد وفات یزید 72ھ / 78ھ)۔

7۔ شداد بن اوس بن ثابت انصاری --- (م 60/64ھ)

اصحاب بیعت رضوان (رض)

8۔ ابو ثعلبہ بن جرھم --- (م 75ھ)

9۔ ابو زمعہ البلوی --- (م در خلافت یزید)

10۔ ابو عبداللہ علقمہ بن خالد --- (م 87ھ)

11۔ ثابت بن ضحاک انصاری خزرجی --- (م 64ھ)

12۔ سلمہ بن عمرو بن الاکوع بن سنان انصاری --- (م 74ھ)

13۔ عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی ---- (م 70ھ)

14۔ عبداللہ بن عمر فاروق عدوی قرشی (م 74ھ)

15۔ عبداللہ بن مغفل المزنی --- (م 61ھ)

16۔ عبداللہ بن یزید حصین انصاری --- (م بعد وفات یزید)

17۔ عمرو بن الاخطب الانصاری --- (چھ سال بعد وفات یزید)

18۔ فضالہ بن عبید انصاری --- (م 69ھ و بروایت دیگر 60ھ آخر خلافت معاویہ)

دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

19۔ ابو امامہ صدی بن عجلان الباھلی --- (م بعد وفات یزید)

20۔ ابو بشیر انصاری --- (م آخر خلافت یزید)

21۔ ابو سعید انصاری --- (م در خلافت عبدالملک)

22۔ ابو سعید بن المعلی --- (م 64ھ)

23۔ ابو سعید کیسان المقبری --- (م در خلافت ولید)

24۔ ابو سنان العبدی --- (م 91ھ)

25۔ ابو عامر الاشعری --- (م در خلافت عبدالملک)

26۔ ابو عنبہ الخولانی --- (م 108ھ)

27۔ ابو کاہل الاحمسی --- (م در امارت حجاج بن یوسف)

28۔ ابولیلی النابغہ الجعدی --- (م بعد وفات یزید در خلافت ابن زبیرا

29۔ ابومالک ادھم بن محزز الباہلی --- (م در خلافت عبدالملک)

30۔ ارطاۃ بن زفر المزنی --- (م در خلافت عبدالملک)

31۔ ابوحسان اسماء بن خارجہ بن حصین الفزاری الکوفی --- (م 65ھ / مابعد)

32۔ ابوسلام الاسود بن ہلال المحاربی الکوفی --- (م در امارت حجاج/84ھ)

33۔ ابوعمرو اسود بن یزید بن قیس النخعی --- (م 74ھ)

34۔ اسید بن ظہیر بن رافع الانصاری الحارثی --- (م در خلافت عبدالملک)

35۔ اسیر (یا یسیر) بن عمرو الکندی --- (م در خلافت یزید/ مابعد)

36۔ انس بن مالک انصاری خزرجی --- (م در خلافت ولید)

37۔ براء بن عازب بن حارث الانصاری --- (م تقریباً 68ھ)

38۔ بریدہ بن حصیب اسلمی --- (م در خلافت یزید)

39۔ بسر بن ارطاۃ ابوعبدالرحمٰن العامری القرشی --- (م در خلافت عبدالملک)

40۔ بشر بن عاصم بن سفیان الثقفی --- (م تقریباً 100ھ)

41۔ بشیر بن عمرو --- (م 85ھ)

42۔ بلال بن حارث --- (م 60ھ در خلافت یزید)

43۔ ثعلبہ بن حکم اللیثی --- (م بعد 70ھ)

44۔ جابر بن سمرہ بن جنادہ العامری --- (م 74ھ)

45۔ جابر بن عبداللہ قبطی --- (م 63ھ)

46۔ جبیر بن نفیر بن مالک ابوعبدالرحمٰن الحضرمی --- (م 80ھ)

47۔ جرھد بن خویلد مدنی --- (م 63ھ)

48۔ جنادہ بن ابی امیہ الازدی --- (م 67ھ)

49۔ جنادہ بن امیہ بن مالک الدوسی --- (م بعد 64ھ / 80ھ)

50۔ جندب بن عبداللہ بن سفیان البجلی --- (م 69ھ)

51۔ (ابوسعد) حارث بن اوس بن معلی انصاری --- (م 94ھ)

52۔ (ابوعائشہ) حارث بن سوید التیمی --- (م 72ھ)

53۔ حارث بن عمرو بن غزیہ المزنی --- (راوی حدیث حرمت متعہ م 70ھ)

54۔ (ابو واقد) حارث بن عوف بن اسید لیثی --- (م 66ھ)

55۔ حارث بن نفیع بن معلی انصاری --- (ہم نام شہید بدر م 64ھ)

56۔ حارثہ بن بدر بن حصین التمیمی --- (م 64ھ)

57۔ حصین بن الحر --- (م در امارت حجاج)

58۔ حصین بن نمیر السکونی الکندی --- (م در خلافت عبد الملک)

59۔ حمزہ بن عمرو الاسلمی --- (م 61ھ)

60۔ حیدہ بن معاویہ القشیری --- (م در ولایت عراق بشر بن مروان)

61۔ (ابو شریح) خویلد بن عمرو کعبی الخزاعی --- (م 68ھ)

62۔ خنابہ بن کعب العبسی --- (م در خلافت یزید)

63۔ (ابو عبد اللہ) نافع بن خدیج الحارثی --- (م 73ھ)

64۔ زرارہ بن جزء بن عمرو الکلابی --- (م 74ھ)

65۔ زمل بن عمرو العذری --- (م اواخر 64ھ)

66۔ زہیر بن قیس البلوی --- (م 76ھ)

67۔ زید بن ارقم انصاری خزرجی --- (م 68ھ)

68۔ زید بن خالد الجہنی --- (م 78/72/68ھ)

69۔ (ابو عبد الرحمن) سائب بن خباب مدنی --- (م 77ھ)

70۔ سائب بن یزید الکندی --- (م 90/86/80ھ)

71۔ (ابو عمرو) سعد بن ایاس الشیبانی --- (م 95ھ)

72۔ سعد بن زید انصاری --- (م در خلافت عبد الملک)

73۔ سعد بن مالک بن سنان (ابو سعید) خدری انصاری --- (م 74ھ)

74۔ سعید بن نمران الہمدانی --- (م 70ھ)

75۔ سفینہ مولی سیدہ ام سلمہ --- (م 70ھ)

76۔ سلمہ بن ابی سلمہ مخزومی، فرزند ام المومنین ام سلمہ (م در خلافت عبد الملک)

77۔ سمرہ بن جنادہ عمرو بن جندب --- (م در خلافت عبد الملک)

78۔ سنان بن سلمہ بن المحبق الھذلی --- (م در امارت حجاج)

79۔ سندر بن ابی الاسود --- (م در خلافت عبد الملک)

80۔ سنین بن واقد الظفری --- (م در خلافت یزید 61/60ھ)

81۔ (ابو امامہ) سہل بن حنیف انصاری (م 100ھ) ان کے ہم نام ایک صحابی 38ھ میں ت ہوئے۔

82۔ سہل بن سعد بن مالک الساعدی --- (م 91ھ)

83۔ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ الحجبی --- (م 61ھ)

84۔ ضحاک بن قیس الفہری --- (م 64ھ)

85۔ (ابو عبداللہ) طارق بن شہاب البجلی الاخمسی --- (م 83ھ)

86۔ (ابو الطفیل) عامر بن واثلہ لیثی --- (م تقریباً 100ھ)

87۔ ابو ھبیرہ عائذ بن عمرو المزنی --- (م در خلافت یزید)

88۔ عبداللہ بن ابی حدرد السلمی --- (م 71ھ)

89۔ عبداللہ بن بسر المازنی --- (م 96ھ)

90۔ عبداللہ بن ثعلبہ العذری --- (م 89ھ)

91۔ عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب الھاشمی القرشی --- (م 85ھ)

92۔ عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی --- (م 86ھ)

93۔ عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب الھاشمی،
خواہر زادہ سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان --- (م بعد وفات یزید)

94۔ عبداللہ بن حازم اسلمی --- (م 72ھ)

95۔ عبداللہ بن حوالہ الازدی --- (م 80ھ)

96۔ عبداللہ بن خالد بن اسید الاموی --- (م در خلافت یزید)

97۔ عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری --- (م 63ھ)

98۔ عبداللہ بن سائب المخزومی القاری --- (م 71ھ)

99۔ عبداللہ بن سعد انصاری --- (م 73ھ)

100۔ عبداللہ بن سندر الجذامی --- (م در خلافت عبد الملک)

101۔ عبداللہ بن شہداد بن الھاد اللیثی خواہرزادہ ام المومنین سیدہ میمونہؓ
وخالہ زاد عبداللہ ابن عباس --- (م 81ھ)

102۔ عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب الھاشمی القرشی --- (م 78ھ)

103۔ عبداللہ بن عصام (یاعضاۃ) الاشعری --- (م بعد وفات یزید)

104۔ (ابو اوفی) عبداللہ بن علقمہ --- (م 87ھ)

105۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص السہمی القرشی --- (م 69/68ھ)

106۔ عبداللہ بن غنم الاشعری --- (م 78ھ)

107۔ (ابو فضالہ) عبداللہ بن کعب انصاری --- (م 97/98ھ)

108۔ عبداللہ بن مغفل الانصاری --- (م 70ھ)

109۔ عبداللہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب الھاشمی --- (م در خلافت عبدالملک)

110۔ عبداللہ بن یزید الاوسی --- (م 68ھ)

111۔ عبدالرحمٰن بن ابی سبرہ الجعفی --- (م در امارت حجاج یا بعد ازاں)

112۔ (ابو یحییٰ) عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ اللخمی --- (م 68ھ)

113۔ عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب العدوی القرشی --- (م 70ھ)

114۔ (ابو عثمان) عبدالرحمٰن بن سہل النھدی --- (م 95/100ھ)

115۔ عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب الھاشمی --- (م 62ھ)

116۔ عبید اللہ بن عباس بن عبدالمطلب الھاشمی --- (م در خلافت یزید)

117۔ عبیداللہ بن عدی بن الخیار بن عدی بن نوفل القرشی --- (م 82ھ)

118۔ عتبہ بن عبدالسلمی --- (م 87ھ)

119۔ عثمان بن عبید اللہ التیمی برادر طلحہ بن عبیداللہ --- (م 74ھ)

120۔ العداء بن خالد بن ھوزۃ العامری --- (م 102ھ)

121۔ عدی بن حاتم الطائی --- (م 68ھ)

122۔ العرباض بن ساریہ السلمی --- (م 75ھ یامابعد)

123۔ عطیہ بن بسر المازنی --- (م 75ھ)

124۔ (ابو ایمن) عفان بن وھب الخولانی --- (م 82ھ)

125۔ عقبہ بن نافع الفہری --- (م 63ھ)

126۔ علقمہ بن خالد الخزاعی' عبداللہ بن ابی اوفی --- (م 87ھ)

127۔ علقمہ بن وقاص اللیثی --- (م در خلافت عبدالملک)

128۔ عکراش بن ذویب --- (م در خلافت عبدالملک)

129۔ عمر بن ابی سلمہ المخزومی فرزند ام المومنین ام سلمہ (م در خلافت عبدالملک)

130۔ (ابو زید) عمر بن اخطب انصاری --- (م 62ھ)

131۔ عمران بن ملحان' ابو رجاء العطاردی --- (م اوائل خلافت ھشام)

132۔ (ابو سعید) عمرو بن حریث المخزومی القرشی --- (م 85ھ)

133۔ عمرو بن حزم بن زید الانصاری --- (م 62ھ)

134۔ عمرو بن سفیان البکائی --- (م در خلافت مروان ھ)

135۔ (ابو الاعور) عمرو بن سفیان بن عبدالشمس السلمی --- (م 75ھ)

136۔ عمرو مرۃ بن عبس (م در خلافت عبدالملک / آخر خلافت معاویہ)

137۔ (ابو عبداللہ) عمرو بن میمون الازدی --- (م 75ھ)

138۔ (ابو عمرو) عوف بن مالک اشجعی --- (م 73ھ)

139۔ (ابو بکر) قیس بن ثور السلولی --- (م در خلافت یزید / بعد ازاں)

140۔ اللجلاج العامری --- (م در خلافت عبدالملک)

141۔ مالک بن اوس النفری --- (م 92ھ)

142۔ مالک بن حویرث اللیثی --- (م 94ھ)

143۔ مالک بن عبداللہ بن سنان الخثعمی --- (م در خلافت عبدالملک یا مابعد)

144۔ مالک بن ھبیرہ بن خالد الکندی --- (م در خلافت مروان)

145۔ محمود بن ربیع الانصاری الاشہلی --- (م 97ھ)

146۔ محمود بن لبید بن رافع انصاری اشہلی --- (م 96ھ)

147۔ مروان بن الحکم الاموی القرشی --- (م 65ھ)

148۔ مسلمہ بن مخلد انصاری --- (م 63ھ)

149۔ مسلم بن عقبہ المری --- (م 63ھ)

150۔ مسور بن مخرمہ بن نوفل القرشی الازہری --- (م 64ھ)
151۔ معاویہ بن حکم السلمی --- (م 107/100ھ)
152۔ (ابو زرعہ) معبد بن خالد الجہنی --- (م 72ھ)
153۔ معبد بن یربوع مخزومی --- (م اوائل خلافت یزید ھ)
154۔ (ابو یزید) معقل بن سنان الشجعی --- (م اواخر 63ھ)
155۔ (ابو عبداللہ) معقل بن یسار المزنی --- (م در خلافت یزید ھ)
156۔ معن بن یزید السلمی --- (م در اوائل خلافت عبدالملک ھ)
157۔ (ابو کریمہ) مقدام بن معد یکرب الکندی --- (م 87ھ)
158۔ مولہ بن کثیف بن حمل الضبابی --- (م در خلافت یزید)
159۔ نعمان بن بشیر الانصاری --- (م 64ھ یا بعد ازاں)
160۔ نوفل بن معاویہ الدیلی --- (م در خلافت یزید)
161۔ واثلہ بن اسقع الکنانی اللیثی --- (م 86/85ھ)
162۔ الولید بن عبادہ بن صامت --- (م در خلافت عبدالملک)
163۔ الولید بن عقبہ بن ابی معیط الاموی القرشی --- (م در خلافت یزید ھ)
164۔ (ابو جحیفہ) وھب بن عبداللہ العامری --- (م 64ھ)
165۔ (ابو عبدالرحمٰن) ہلال بن حارث المزنی --- (م در اوائل خلافت یزید ھ)

(مذکورہ اسماء صحابہ و مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد' الاصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر العسقلانی' نیز تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید مئولفہ محمود احمد عباسی' ص 1۔63' بعد)۔

علامہ محمد عطاء اللہ بندیالوی امیر تحریک دفاع صحابہ پاکستان' واقعہ کربلا کے بعد بھی سینکڑوں صحابہ کرام اور لاکھوں تابعین و صالحین سمیت پورے عالم اسلام کے بیعت یزید برقرار رکھنے کے حوالے سے فرماتے ہیں:۔

"یزید دشمنی میں حد سے زیادہ آگے بڑھنے والو کبھی خلوت میں بیٹھ کر غور کرو' اگر یزید واقعی واقعہ کربلا کا ذمہ دار ہوتا تو یہ خیرالقرون کے بہترین اور عشق رسول (ص) سے سرشار

لوگ سرکف میدان میں آتے اور صدائے احتجاج بلند کرتے' یزید کی بیعت توڑ دیتے اور اس کے خلاف نفرت کا اظہار کرتے"۔

(علامہ محمد عطاء اللہ بندیالوی' واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر' ص 204' المکتبۃ الحسینیہ' سرگودھا' بار سوم مئی 1995ء)۔

علامہ بندیالوی اسی سلسلہ میں مزید فرماتے ہیں:۔

"ہاں سوچنے کا مقام یہ ہے کہ آج گئے گزرے دور کا مسلمان تو اتنا غیرت مند ہو کہ حادثہ کربلا کی ذمہ دار حکومت کو ایک لحظہ کے لئے بھی برداشت نہ کرے اور خیرالقرون کا مسلمان اتنا بھی غیرت مند نہیں تھا جتنا آج کے دور کا مسلمان ہے۔

تو اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ حادثہ کربلا کا ذمہ دار یزید کو ٹھہراتے ہیں وہ لاشعوری طور پر اس وقت کے اصحاب رسول(ص) اور تابعین پر تبرا کا دروازہ کھول رہے ہیں کہ ان میں ایمان اور عشق رسول کا جذبہ اور دینی غیرت اتنی بھی نہیں تھی جتنی ہم میں ہے۔ اہل سنت اس تصور سے بھی ہزار مرتبہ پناہ مانگتے ہیں' بلکہ اہل سنت یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ پوری امت کا ایمان مل کر بھی کسی صحابی رسول(ص) کے ایمان کا ہم وزن نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ ہم سے کہیں زیادہ ایمان کی حرارت رکھنے والے' دین کی سربلندی و سرفرازی کے لئے قربانی کا جذبہ رکھنے والے عشق رسول(ص) سے سرشار اور باطل قوتوں سے جہاد کا ولولہ رکھنے والے تھے۔ دینی غیرت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ باطل حکومت کی بیعت کا تصور بھی ان سے ممکن نہیں' مگر حادثہ کربلا پر یزید سے احتجاج نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس شرمناک حادثہ اور خاندان علی کی دردناک شہادت کا ذمہ داری یزید بن معاویہ ہرگز نہیں ہے بلکہ کوفہ کے وہ بدمعاش اور بدقماش ہیں جو اپنے آپ کو شیعان علی کہلاتے تھے اور ہزاروں خطوط لکھ کر سیدنا حسین کو دھوکے اور فریب سے کوفہ بلایا اور پھر انتہائی جفاکاری اور کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا اور اپنے خطوط ضائع کرنے کے لئے خیموں کو آگ لگادی اور مستورات کی بے حرمتی کی"۔

(علامہ محمد عطاء اللہ بندیالوی' واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر' ص 205-206)۔

محققین اہل سنت کی کثیر تعداد کی رائے میں اہل تشیع کی جانب سے مذمت یزید کا اصل مقصد مذمت صحابہ ہے' لہٰذا اس سے سختی سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل بیان ملاحظہ ہو۔

"محققین اہل سنت کا نقطہ نظر ہے کہ جو لوگ یزید کے بارے میں اچھے خیالات نہیں رکھتے وہ یا تو تاریخ کے ماہر نہیں یا وہ مخالف پروپیگنڈہ سے متاثر ہیں' اور اتنی بصیرت نہیں رکھتے کہ دشمنان صحابہ (رض) کی چالوں کو سمجھ سکیں' کیونکہ دشمن کو معلوم ہے کہ صحابہ کرام پر کھلم کھلا طعن و تشنیع اہل سنت برداشت نہیں کریں گے۔ اس لئے وہ یزید کو پہلا ہدف بناتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر یزید کی برائی مسلم ہو گئی تو اس کو خلیفہ مقرر کرنے والے حضرت امیر معاویہ' اس کی سفارش کرنے والے حضرت مغیرہ بن شعبہ' اور یزید کی خلافت پر بیعت کرنے والے تمام صحابہ کرام کی برائی خود بخود دلوں میں بیٹھ جائے گی۔

پھر جس نے حضرت امیر معاویہ کو گورنر بنایا (یعنی حضرت عمر فاروق اعظم) اور جس نے انہیں گورنری پر برقرار رکھا (یعنی حضرت عثمان)' ان کے خلاف بھی دلوں میں میل آئے گا۔ اور یوں رفتہ رفتہ تمام صحابہ رسول (ص) سے بغض پیدا ہو جائے گا' یا کم از کم ان سے وہ محبت نہیں رہے گی' جیسی ہونی چاہئے' اور یہی دشمنان صحابہ کا مقصد وحید ہے۔ کیونکہ حقیقت میں یزید کی برائی ان کا مقصد ہے ہی نہیں۔ بلکہ یزید کے ذریعے اور حوالے سے اس کو خلیفہ مقرر کرنے والے' اس کی خلافت کا مشورہ دینے والے' اس کی بیعت کرنے والے صحابہ کرام پر طعن کرنا ان کا اصلی مقصد ہے۔ وہ یزید کو قتل حسین میں ملوث کر کے اور اس کی بے انتہاء برائیاں بتا کر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ دیکھو اتنے صحابہ میں کوئی بھی جرات مند اور غیرت مند نہیں تھا جو حسین کی مدد کرتا اور یزید جیسے آدمی کو خلافت سے اتارتا یا کم از کم اس کے خلاف لڑتے ہوئے حسین کی طرح اپنی جان ہی قربان کر دیتا۔ اس کے برخلاف اس وقت کے تمام بڑے بڑے صحابہ مثلاً عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن عباس' انس بن مالک' جابر بن عبداللہ غرض وہ تمام صحابہ جو اس وقت موجود تھے' وہ سبھی یہ ساری خلاف شرع باتیں گوارا کرتے رہے۔

غرض وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام آج کل کے حریت پسندوں اور آمریت کے دشمنوں سے بھی گئے گزرے تھے' کیونکہ آج بھی آمروں کو ہٹانے کے لئے بہت سے لوگ

اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں' مگر ان صحابہ کرام سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ جو علمائے کرام دشمن کی اس چال کو سمجھتے ہیں وہ ان کے پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہوتے' لیکن جو اس گہرائی میں نہیں جاتے اور سنی سنائی باتوں پر عمل کرتے ہیں' ان سے ایسا سہو سرزد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام کی سچی محبت عنایت فرمائے' کیونکہ ان کی محبت جزو ایمان ہے' اور دشمنان صحابہ کی چالوں کو سمجھنے اور انکے غلط پروپیگنڈے سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین"۔

(مسلم معاشرے پر شیعیت کے مخفی اثرات' ص 107-108' ناشر مجلس تحفظ ناموس صحابہ و اہل بیت پاکستان)۔

اس موقف کی تائید کہ مذمت یزید کا اصل مقصد مذمت اکابر صحابہ ہے' امام خمینی کے اس بیان سے بخوبی ہو جاتی ہے:۔

"آنچہ تاکنون با مسلمانہا رسیدہ آثار روز سقیفہ باید شمرد"۔

(امام خمینی 'کشف اسرار' مطبوعہ ایران' 1363ھ' ص 171)۔

ترجمہ:۔ آج تک مسلمانوں پر جو کچھ مصیبت آئی ہے اس کو سقیفہ (بنی ساعدہ میں بیعت ابوبکر) کے اثرات و نتائج میں سے شمار کرنا چاہیے۔

اسی حوالہ سے امام خمینی مجالس حسین میں غلط رسومات کو غلط قرار دینے کے باوجود ان مجالس کی حمایت میں فرماتے ہیں:۔

"و اگر ایں تاسیس کہ از تاسیسات بزرگ دینی است نبود' تاکنون از دین حقیقی کہ مذہب شیعہ است اثری بجا نماندہ بود۔ و مذہب ہای باطل کہ شالودہ اش از سقیفہ بنی ساعدہ ریختہ شد' و بنیانش برانہدام اساس دین بود جای گیر حق شدہ بود"۔

(امام خمینی 'کشف اسرار' ص 219-220' طبع ایران' 15 ربیع الثانی 1363ھ)۔

ترجمہ:۔ اور اگر یہ بنیادی ادارہ (سلسلہ مجالس) جو کہ عظیم دینی تاسیسات میں سے ہے نہ ہوتا تو اب تک اس دین حقیقی یعنی مذہب شیعہ کا نام و نشان بھی باقی نہ رہ پاتا۔ اور باطل مذاہب و مسالک جن کی بنیاد سقیفہ بنی ساعدہ میں (بیعت امامت و خلافت ابوبکر کے ذریعے) رکھی گئی اور جس کی عمارت دین کی بنیادیں مسمار کر کے کھڑی کی گئی تھی' حق (یعنی مذہب شیعہ) کی جگہ لے لیتے۔

علاوہ ازیں امام خمینی "مخالفت ہای ابوبکر بانص قرآن" (کشف اسرار، ص 144)۔
اور "مخالفت عمر با قرآن خدا" (کشف اسرار، ص 147) جیسے عنوانات باندھنے کے علاوہ سیدنا عثمان و معاویہ کو یزید کے ہمراہ ظالم و مجرم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔
"ماخدائے را پرستش میکنیم و میشناسیم کہ کار ہایش براساس عقل پائیدار و بخلاف گفتہ عقل ہیچ کارے نکند۔ نہ آن خدائے کہ بنائے مرتفع از خدا پرستی و عدالت و دینداری بناء کند و خود بخرابی آں بکوشد و یزید و معاویہ و عثمان و ازیں قبیل چپاولچی ہائے دیگر بمردم امارت دہد"۔
(خمینی، کشف اسرار، ایران، 1363ھ، ص 135)۔
ترجمہ:۔ ہم ایسے خدا کی پرستش کرتے اور اسے مانتے ہیں جس کے سارے کام عقل کی اساس پر پائیدار ہیں اور جو عقل کے منافی کوئی کام نہیں کرتا۔ نہ کہ ایسے خدا کو جو خدا پرستی و عدل و دینداری کی ایک عالی شان عمارت تعمیر کرائے اور خود ہی اس کی بربادی کی کوششیں کرے اور یزید و معاویہ عثمان جیسے غارت گروں، لٹیروں کے سپرد لوگوں کی امارت و خلافت کردے۔
مفکر ایران ڈاکٹر علی شریعتی اپنی تمام تر روشن فکری اور یورپ میں اعلیٰ تعلیم و تربیت کے باوجود امام خمینی جیسے روایتی شیعہ علماء کی طرح اس بات کو دہراتے ہیں۔ سیدنا علی سے منسوب خالص شیعیت کو "تشیع علوی" اور صفوی بادشاہوں سے منسوب سرکاری درباری شیعیت کو "تشیع صفوی" کا نام دیتے ہوئے ان دونوں کا فرق واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تشیع صفوی میں ابوبکر کے بجائے عمر کو زیادہ ناپسند کیا جاتا ہے۔ جبکہ علوی تشیع میں ابوبکر اصل فساد کی جڑ ہیں اور عمر ان کی برائیوں میں سے ایک برائی ہیں۔
"تشیع علوی ابوبکر را شخص اول خلافت می داند، و عمر را سیئہ من سیئات ابی بکر می شمارد"۔ (دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی طبع ایران، ص 101، حاشیہ 1)۔
ترجمہ:۔ علوی تشیع ابوبکر کو (غصب شدہ) خلافت کا شخص اول سمجھتا ہے اور عمر کو ابوبکر کی برائیوں میں سے ایک برائی سمجھتا ہے (کیونکہ ابوبکر نے عمر کو امام و خلیفہ نامزد کیا تھا)۔
ڈاکٹر علی شریعتی کا درج ذیل بیان بھی اسی حوالہ سے قابل اندراج ہے:۔
"از امام صادق می پرسند۔ علت چہ بود کہ نہ علی (ع) در خلافت موفق بود و نہ عثمان، در

حالیکہ ابوبکر و عمر ہر دو دریں کار توفیق بدست آوردند؟۔
امام پاسخی داد کہ از نظری تحلیل اجتماعی بسیار عمیق است۔
علی یکسرہ بر حق می رفت و حق صریح و قاطع۔ و عثمان یکسرہ بر باطل می رفت و باطل صریح و قطعی۔ اما شیخین این دو بہم در آمیختند و پیش رفتند"۔
(دکتر علی شریعتی' قاسطین' مارقین' ناکثین' ص 83' تہران' انتشارات قلم' آبانماہ 1358' چاپ دوم)۔

ترجمہ:۔ امام (جعفر) صادق سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ نہ علی(ع) بحیثیت خلیفہ کامیاب رہے اور نہ عثمان' جبکہ ابوبکر و عمر دونوں اس کار خلافت میں پوری طرح کامیاب رہے؟ امام نے ایسا جواب دیا جو معاشرتی تجزیہ کے لحاظ سے بہت گہرائی کا حامل ہے:۔
علی قطعی اور صریح حق کی راہ پر گامزن رہے۔ عثمان قطعی اور صریح باطل کی راہ پر گامزن رہے' جبکہ شیخین (ابوبکر و عمر) نے ان دونوں (حق و باطل) کو ملا جلا کر کام چلایا اور کامیاب رہے۔

سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و دیگر صحابہ کرام کے بارے میں ان اقتباسات کے بعد اہل تشیع خود اپنے مخصوص تصور اہل بیت کے مطابق محترم آئمہ شیعہ کے بارے میں جو عجیب و غریب نقطہ نظر رکھتے ہیں' اس کی ایک افسوس ناک مثال امام خمینی کا درج ذیل بیان ہے' جس میں خلیفہ علی کے قاضی القضاۃ قاضی شریح کا تعارف کراتے ہوئے امام خمینی اسے جھوٹا اور خوشامدی قرار دیتے ہیں:۔

"وکان شریح هذا قد شغل منصب القضاء قرابة خمسین عاما۔ وکان متملقا۔ لمعاویة' یمدحه و یثنی علیه' و یقول فیه مالیس له باهل' وکان موقفه هدما۔ لما تبنیه حکومة امیر المؤمنین(ع) الا ان علیا۔ لم یستطع عزله لان من قبله قدنصبه' ولم یکن عزله بسبب ذلک فی متناول امیر المؤمنین الا انه اکتفی بمراقبته وردعه عن الوقوع فیما یخالف تعالیم الشرع"۔ (روح الله الخمینی' الحکومة الاسلامیة' ص 74)۔

ترجمہ:۔ اور یہ (قاضی) شریح تقریباً پچاس سال تک منصب قضاء پر فائز رہے اور وہ معاویہ کی خوشامد کرنے والے تھے' ان کی مدح و ثناء کرتے رہتے تھے' اور ان کی تعریف میں

ایسی باتیں کہتے تھے جن کے وہ اھل نہ تھے۔ ان کا طرز عمل ان بنیادوں کو منہدم کرنے والا تھا جن پر امیرالمؤمنین (ع) کی حکومت قائم تھی۔ مگر علی انہیں معزول نہ کرسکے، کیونکہ ان سے پہلے والے خلیفہ انہیں مقرر کرگئے تھے اور اس وجہ سے انہیں معزول کرنا امیرالمؤمنین کی طاقت سے باہر تھا، چنانچہ انہوں نے اسی بات پر اکتفاء کرلیا کہ اس پر نظر رکھیں اور اسے شریعت کی تعلیمات کے خلاف جانے سے روکتے رہیں۔

اگرچہ اس وقت امام خمینی کے اس بیان پر تبصرہ مقصود نہیں، مگر قارئین کے غوروفکر کے لئے اتنا اشارہ ناگزیر ہے کہ عصر جدید میں شیعہ فرقہ اثنا عشریہ کے عظیم ترین قائد امام خمینی کے اس بیان کے مطابق اہل تشیع کے امام اول و خلیفہ بلافصل پیکر علم و شجاعت علی شیر خدا نے بااختیار امام و خلیفہ ہوتے ہوئے لاکھوں مربع میل پر محیط عالم اسلام کے لئے ایسا چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) برقرار رکھا جو خوشامدی، جھوٹی تعریف کرنے والا اور سیدنا علی کی امامت و خلافت کی بنیادیں منہدم کرنے والا تھا اور اس کی تمام تر خرابیوں کے باوجود وہ اسے مجبوراً برداشت کرتے رہے، کیونکہ پہلے خلفاء انہیں مقرر کرگئے تھے (یعنی چہ؟)۔ چنانچہ علی نے پورے عالم اسلام کو انصاف مہیا فراہم کرنے کے ذمہ دار اس جھوٹے اور خوشامدی قاضی پر نظر رکھنے اور اسے تعلیمات شریعت کے خلاف جانے سے روکنے پر اکتفا کیا۔ امام خمینی کے اس بیان کی رو سے غیر مسلم محققین و مؤرخین کے نزدیک سیدنا علی شیر خدا کے پانچ سالہ بااختیار دور امامت و خلافت، ان کی بحیثیت امام و خلیفہ اہلیت و کارکردگی اور جھوٹے، خوشامدی قاضی القضاۃ کے تحت عدل و انصاف کی صورت حال نیز شیعہ تصور امامت و خلافت و حکومت اسلامیہ کی جو مایوس کن صورت حال سامنے آتی ہے اور اکابر اہل تشیع کے ہاتھوں سیدنا علی کی حیثیت جس قدر مجروح قرار پاتی ہے اس کا تصور بھی محال ہے۔ اور سیدنا علی اور ان کے قاضی کی شان میں اس قسم کی گستاخی کا تصور بھی علماء و مشائخ اہل سنت والجماعت پر لرزہ طاری کردیتا ہے، جس کو امام خمینی بلا تکلف بیان فرمارہے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اسی سلسلہ کلام میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ امام خمینی، قاضی شریح کو جس معاویہ (رض) کی خوشامد اور جھوٹی تعریف کا مجرم قرار دے رہے ہیں، انہی معاویہ (رض) کے ساتھ اھل تشیع کے دوسرے امام معصوم سیدنا حسن نے صلح کرکے خلافت ان کے سپرد

کردی جس پر امام خمینی سے صدیوں پہلے (41ھ) شیعان علی میں سے ایک عظیم قائد سلیمان بن صرد نے شیعان کوفہ کے ایک بہت بڑے گروہ کی ترجمانی کرتے ہوئے سیدنا حسن کی شان میں ایسی گستاخی کی جس کا تصور بھی اہل سنت کے لئے محال ہے' حتیٰ کہ شیعان کوفہ میں سے ایک گروہ نے امام حسن پر قاتلانہ حملہ کرکے انہیں زخمی بھی فرمادیا۔ اس حوالہ سے ڈاکٹر موسیٰ موسوی لکھتے ہیں:۔

"امام کو اپنے والد کے بہت سے ساتھیوں کی جانب سے جو صلح نہیں چاہتے تھے کھلی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہاں تک کہ سلیمان بن صرد نے جو کہ امام علی کے بڑے حامیوں میں سے تھے' امام حسن کو یہ کہہ کر مخاطب کیا۔

السلام علیک یا مذل المؤمنین! (السلام علیک اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے)۔

اس صلح کے مخالفین متشدد اور طاقتور تھے۔ امام کو ان کی جانب سے بہت کچھ برداشت کرنا پڑا' لیکن اس سب کچھ نے امام کو کمزوری دکھانے پر مائل نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس مخالفت کا بہادروں کی طرح مقابلہ کیا"۔

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی' الشیعہ والتصحیح' اردو ترجمہ بعنوان اصلاح شیعہ' از ابو مسعود آل امام' مطبوعہ پاکستان فروری 1990ء' ص 99' باب تقیہ)۔

قرن اول کے عظیم شیعہ قائد سلیمان بن صرد کے امام حسن کی شان میں اس گستاخانہ کلام' نیز نہج البلاغہ میں درج خطبات علی در مذمت شیعان کوفہ اور بعدازاں سیدنا حسین سے شیعان کوفہ کی غداری و بے وفائی سے قرون اولیٰ کے اہل تشیع کی جو افسوس ناک تصویر سامنے آتی ہے' اس سے عصر جدید میں بھی امام خمینی جیسے اکابر اہل تشیع کا سیدنا علی کے بارے میں مذکورہ منفی رویہ سمجھنا آسان تر ہو جاتا ہے۔ فمن شاء ذکرہ۔

سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنھم کے بارے میں مذکورہ بیانات کے علاوہ امام خمینی اہل تشیع کی ترجمانی کرتے ہوئے مزید برآں مقام انبیاء و مرسلین کو مقام ائمہ شیعہ سے کم تر قرار دیتے ہیں:۔

"فان للامام مقاما محمودا ودرجة سامية وخلافة تكوينية تخضع لولايتها وسيطرتها جميع ذرات هذا الكون. وان من ضروريات مذهبنا ان لائمتنا مقاما لايبلغه ملك مقرب ولا نبي مرسل"۔

(الخمینی' الحکومۃ الاسلامیۃ' الحرکۃ الاسلامیۃ فی ایران' ص 52)۔

ترجمہ:۔ یقیناً امام کو مقام محمود' اعلیٰ مرتبہ اور ایسی تکوینی خلافت حاصل ہے جس کی ولایت و اقتدار کے سامنے کائنات کا ذرہ ذرہ سرنگون ہے۔ اور ہمارے مذہب کے ضروری عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ ہمارے ائمہ کا وہ مقام و مرتبہ ہے جس تک نہ کوئی نبی مرسل پہنچ سکتا ہے نہ کوئی مقرب فرشتہ۔

نیز امام خمینی بارہویں اثنا عشری امام مہدی کے مقام و مرتبہ کے سلسلے میں فرماتے ہیں:۔

"ان الانبیاء لم یوفقوا فی تنفیذ اغراضهم فیبعث الله شخصا' فی آخر الزمان لینفذ مواضیع الانبیاء"۔

(مختارات من اقوال الامام الخمینی 113/2 مترجم محمد جواد المهری' وزارۃ الارشاد الاسلامی' تہران 1402ھ۔ق)۔

ترجمہ:۔ انبیاء کو اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق نہ دی گئی۔ پس آخری زمانہ میں اللہ ایک شخص کو بھیجے گا تاکہ وہ انبیاء کے مقاصد کو عملی جامہ پہنا دے۔

امام خمینی مزید فرماتے ہیں:۔

"مہدویت پر اعتقاد:

جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لئے آئے۔ ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دنیا میں انصاف کا نفاذ کریں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ختم المرسلین (ص) جو انسان کی اصلاح کے لئے آئے تھے اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لئے آئے تھے۔ انسان کی تربیت کے لئے آئے تھے لیکن وہ اپنے زمانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ وہ آدمی جو اس معنی میں کامیاب ہوگا اور تمام دنیا میں انصاف کو نافذ کرے گا' وہ بھی اس انصاف کو نہیں جسے عام لوگ انصاف سمجھتے ہیں کہ زمین میں انصاف کا معاملہ صرف لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہو' بلکہ یہ انصاف انسانیت کے تمام مراتب میں ہو۔ وہ چیز جس میں انبیاء کامیاب نہیں ہوئے باوجود اس کے کہ وہ اس خدمت کے لئے آئے تھے۔ خدائے تبارک و تعالیٰ نے ان (حضرت ولی عصر۔ ارواحنالہ الفداء) کا ذخیرہ کیا ہے۔ ان ہی معنی میں جس کی تمام نبیوں کو آرزو تھی' لیکن رکاوٹوں کی وجہ سے وہ ان کو نافذ نہ کرسکے۔ تمام اولیاء کی یہ آرزو تھی لیکن وہ بھی نافذ کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ وہ اس بزرگوار کے ہاتھوں نافذ ہو جائے۔ لہٰذا

اس معنی میں (حضرت صاحب۔ ارواحنالہ الفداء) کا جشن میلاد مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی عید ہے۔ صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ انسان کے لئے بھی سب سے بڑی عید ہے"۔

(پندرہ شعبان 1400ھ کے موقع پر تقریر بحوالہ کتابچہ اتحاد و یک جہتی امام خمینی کی نظر میں "شائع کردہ خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران' ملتان' ص 15-16)۔

اکابر اہل تشیع کے ان افکار و بیانات سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ معاملہ صرف تنقید یزید تک محدود نہیں رہ پاتا بلکہ اس کے بعد بتدریج سیدنا معاویہ و عثمان و عمر و ابوبکر تک اور دوسری طرف سیدنا حسن و علی حتیٰ کہ انبیاء و مرسلین تک جا پہنچتا ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

عزیز و میزبان رسول (ص) سیدنا ابو ایوب انصاری (رض) کے مزار مبارک واقع قسطنطنیہ (استانبول' ترکیہ) پر درج ذیل کتبہ نصب ہے' جس میں آپ کا نام و نسب' مختصر احوال' سن باون میں یزید بن معاویہ کے زیر قیادت شہر قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ آور بلسان نبوت مغفرت یافتہ اول لشکر مجاہدین اسلام میں آپ کی شمولیت و وصیت و تدفین کا تذکرہ ہے۔

ابو ایوب الانصاری
(هذه كنيته)

واسمه خالد بن زيد بن كليب بن ثعلبة بن عبد عوف بن غنم بن مالك بن النجار' واسمه النجار' تيم الله بن ثعلبة بن عمرو بن الخزرج الاكبر ابو ايوب الانصاري الخزرجي۔ وامه هند بنت سعيد بن عمرو بن امرى القيس بن مالك بن ثعلبة بن كعب بن الخزرج۔ وهو مشهور بكنيته (ابو ايوب الانصاري)۔

شهد العقبة و بدرا- واحدا- والمشاهد كلها مع رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ ولما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة مهاجرا- نزل عليه واقام عنده حتى بنى حجره

و مسجده و انتقل الیها۔

وتوفی ابو ایوب الانصاری سنة اثنتین و خمسین هجرية، وکان فی جیش یزید بن معاوية بحصار القسطنطینية، فمرض ابو ایوب فعاده یزید فقال له:۔ ماحاجتک ؟ فقال ابو ایوب۔ حاجتی اذا انامت فارکب ثم اسغ فی ارض العدو ماوجدت مساغا۔ فادفنی ثم ارجع۔ فتوفی، ففعل الجیش ذلک و دفنوه بالقرب من القسطنطین۔ فهذا قبره رضی الله عنه۔

(نقل من کتاب "اسد الغابة فی معرفة الصحابة لابن الاثیر الجزری)۔

(تصویر کتبہ وذکورہ عربی عبارت کے لئے ملاحظہ ہو۔ "اموی خلافت کے بارے میں غلط فہیوں کا ازالہ" ماخوذ از "اظہار حقیقت" مؤلفہ مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی، ناشر مولانا عبدالرحمن، کراچی، اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن، اشاعت دوم، رمضان 1414ھ)۔

ترجمہ:۔ ابو ایوب الانصاری

(یہ ان کی کنیت ہے)۔

" اور ان کا نام خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بن عبد عوف بن غنم بن مالک بن النجار ہے جن کا نام ہے نجار تیم اللہ بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج الاکبر۔ ابو ایوب الانصاری الخزرجی۔

اور ان کی والدہ ہیں، ہند بنت سعید بن عمرو بن امری القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج۔ اور آپ اپنی کنیت ابو ایوب انصاری سے مشہور ہیں۔

آپ بیعت عقبہ نیز بدر واحد و دیگر تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ لیہ وسلم کے ہمراہ موجود تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ آئے تو آپ کے پاس نزول و قیام فرمایا۔ یہاں تک کہ اپنی مسجد و حجرات کی تعمیر فرمائی اور پھر وہاں منتقل ہو گئے۔

اور ابو ایوب نے سن باون ہجری میں وفات پائی۔ آپ یزید بن معاویہ کے اس لشکر میں

شامل تھے جس نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کررکھا تھا۔ پس آپ بیمار ہوئے تو یزید آپکی عیادت کے لئے آیا' پس وہ کہنے لگا آپ کی کوئی خواہش ہوتو فرمایئے؟ تو ابو ایوب نے فرمایا: جب میں وفات پاجاؤں تو (میرے جسد کے ہمراہ) سوار ہوجاؤ اور پھر دشمن کی سرزمین میں جہاں تک راستہ پاسکو آگے بڑھو اور وہاں مجھے دفن کردو۔ پھر واپس لوٹ آؤ۔ پھر آپ وفات پاگئے تو لشکر نے ایسا ہی کیا' اور انہیں قسطنطنیہ کے قریب دفن کیا۔

پس یہ آپ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔

(منقول از کتاب "اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ" لابن الاثیر الجزری)۔

3۔ واقعہ حرہ

واقعہ کربلا (محرم 61ھ) کے تقریباً تین سال بعد (اواخر 63ھ) اہل مدینہ کی کثیر تعداد نے یزید کی بیعت توڑ کر سیدنا عبداللہ بن زبیر کے حامی جناب عبداللہ بن مطیع کی حمایت کردی' جس پر یزید نے عمر رسیدہ صحابی رسول(ص) مسلم بن عقبہ(رض) کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا جس نے یزید کی ہدایت کے مطابق تین روز تک بیعت شکنوں کو مہلت دی مگر جب انہوں نے اطاعت کی بجائے جنگ پر آمادگی ظاہر کی تو مسلم بن عقبہ کے زیر قیادت فوج نے باغیوں کے خلاف ایکشن کرکے قابو پالیا' یہی واقعہ' واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الکامل لابن الاثیر جز 4' ص 45-48 الخ)۔

اہل مدینہ کے ایک طبقہ کی یزید کے خلاف بغاوت کا حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار' سیدنا علی زین العابدین' سیدنا محمد بن علی' ابن الحنفیہ' سیدنا محمد الباقر اور سیدنا عبداللہ بن عمر سمیت اکثر اکابر قریش و بنی ہاشم نے بیعت یزید کو سختی سے برقرار رکھا۔ اور باغیوں کا ساتھ دینے سے انکار کردیا۔

1۔ برادر حسنین سیدنا محمد بن علی (ابن الحنفیہ) الھاشمی القرشی (م 81ھ' مدینہ)

برادر حسنین سیدنا محمد بن علی (ابن الحنفیہ) امام شیعہ فرقہ کیسانیہ سے جب عبداللہ بن مطیع نے بیعت یزید توڑنے کا مطالبہ کیا اور اس سلسلہ میں یزید کے فاسق و فاجر ہونے کی دلیل دی تو آپ نے بیعت توڑنے سے انکار کرتے ہوئے یزید کے فسق و فجور کی تردید ان الفاظ میں فرمائی۔

"وقد حضرته واقمت عنده فرایته مواظبا- علی الصلاۃ متحریا- للخیر یسئال عن الفقه' ملازما- للسنة"۔

(ابن کثیر' البدایة والنهایة' ج 8' ص 243)۔

ترجمہ:۔ میں اس (یزید) کے پاس گیا ہوں اور اس کے ہاں مقیم رہا ہوں۔ پس میں نے اسے نماز کا پابند' کار خیر میں سرگرم' فقہ پر گفتگو کرنے والا اور پابند سنت پایا ہے۔

علامہ ابن کثیر' سیدنا ابن الحنفیہ کے بارے میں واقعہ حرہ کے حوالہ سے یہ بھی لکھتے ہیں:۔

"وکذالک لم یخلع یزید احد من بنی عبدالمطلب۔ وسئل محمد بن الحنفیة فی ذلک فامتنع من ذلک اشد الامتناع وناظرھم وجادلھم فی یزید ورد علیھم ما اتھموہ من شرب الخمر و ترکہ بعض الصلاۃ"۔

(ابن کثیر 'البدایۃ والنھایۃ' ج 8' ص 218)۔

ترجمہ:۔ اور اسی طرح بنو عبدالمطلب میں سے بھی کسی نے یزید کی بیعت نہ توڑی۔ اور محمد بن حنفیہ سے اس (بیعت یزید توڑنے کے) معاملے میں درخواست کی گئی تو انہوں نے سختی سے انکار کردیا اور ان (باغیوں) سے یزید کے بارے میں بحث و مجادلہ کیا اور انہوں نے یزید پر شراب نوشی اور بعض نمازوں کے قضاء کردینے کے جو الزامات لگائے تھے ان کو مسترد کرتے ہوئے یزید کی صفائی میں دلائل دیئے۔

پیکر علم و شجاعت سیدنا ابن الحنفیہ اپنی والدہ سیدہ حنفیہ (خولہ بنت جعفر) کی نسبت سے ابن الحنفیہ مشہور ہیں اور انہوں نے اپنے بھائی سیدنا حسین کو مدینہ سے مکہ آکر کوفیوں کے بھروسے پر خروج سے منع فرمایا:۔

"فادرک حسینا' بمکۃ فاعلمہ ان الخروج لیس لہ برای یومہ ھذا۔ فابی الحسین ان یقبل' فحبس محمد بن الحنفیۃ ولدہ فلم یبعث احدا' منھم حتی وجدالحسین فی نفسہ علی محمد وقال: ترغب بولدک عن موضع اصاب فیہ؟ فقال: وما حاجتی الی ان تصاب ویصابون معک ' وان کانت مصیبتک اعظم عندنا منھم"۔

(ابن کثیر 'البدایۃ والنھایۃ' ج 8' ص 165)۔

ترجمہ:۔ پس ابن الحنفیہ مکہ میں حسین کے پاس پہنچ گئے اور ان سے کہا کہ ان کی رائے میں اس وقت (اہل کوفہ کے بھروسے پر) خروج کا خیال بالکل مناسب نہیں ہے۔ حسین نے یہ رائے قبول نہ فرمائی۔ پس محمد بن حنفیہ نے اپنی اولاد کو روک دیا اور ان میں سے کسی کو بھی ان کے ساتھ نہ بھیجا' جس پر حسین کو دل میں محمد (ابن الحنفیہ) پر رنج ہوا اور فرمانے لگے: تم اپنی اولاد کو میری جان سے زیادہ عزیز رکھ رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اور آپ کے ساتھ وہ بھی کیوں مصیبت میں پڑیں۔ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کی مصیبت میرے لئے ان کی مصیبت سے زیادہ باعث رنج ہے۔

2۔ سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار الھاشمی القرشی (م 85ھ، مدینہ)

سیدنا حسن و حسین کے چچا زاد اور بہنوئی (شوہر سیدہ زینب) صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار کی صاحبزادی اور سیدہ زینب کی سوتیلی بیٹی سیدہ ام محمد زوجہ یزید تھیں (جمہرہ الانساب لابن حزم، ص 62)۔ سیدنا عبداللہ بن جعفر نے بھی سیدنا عبداللہ بن عباس و ابن الحنفیہ وغیرہ اکابر قریش و بنی ہاشم کی طرح ابتداء ہی میں یزید کی بیعت کرلی تھی۔ ان کے بارے میں روایت ہے:۔

"دخل عبدالله بن جعفر علی یزید فقال: کم کان ابی یعطیک فی کل سنة قال الف الف قال فانی اضعفتهالک - فقال ابن جعفر: فداک ابی و امی ووالله ماقلتها لاحد قبلک فقال: قد اضعفتهالک - فقیل: اتعطیه اربعة آلاف الف؟ فقال نعم انه یفرق ماله فاعطائی ایاه اعطائی لاهل المدینة"۔

(البلاذری، انساب الاشراف، الجزء الرابع والقسم الثانی، طبع یروشلم، ص ۲، بروایت المدائنی)۔

ترجمہ:۔ عبداللہ بن جعفر یزید کے پاس آئے تو اس نے پوچھا میرے والد آپ کو سالانہ کیا دیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا: دس لاکھ۔ یزید کہنے لگا میں نے آپ کے لئے اسے دگنا کیا تو ابن جعفر نے فرمایا:۔ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں اور بخدا میں نے یہ جملہ تجھ سے پہلے کسی کے لئے نہیں کہا۔

پس یزید کہنے لگا۔ میں نے آپ کی خاطر اس کو اور بھی دوگنا کردیا۔ (خازن کی طرف سے) عرض کیا گیا، کیا آپ ان کو چالیس لاکھ سالانہ دیا کریں گے؟ تو اس نے کہا ہاں، کیونکہ یہ اپنا مال تقسیم کردیتے ہیں۔ میرے ان کو عطا کرنے کا مطلب تمام اھل مدینہ کو عطاء کرنا ہے۔

اسی موقع پر خراسان سے مال و اسباب سے لدے ہوئے بہت سے دو کوہانی اونٹ یزید کے پاس دمشق آئے تو روایت کے مطابق سیدنا عبداللہ بن جعفر نے حج و عمرہ و سفر شام کی خاطر دو اونٹ حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ یزید نے اونٹوں کے بارے میں متعلقہ افسر سے استفسار کیا تو اس نے عرض کیا:۔

"فقال یا امیرالمومنین: ھذہ اربعمائۃ نجتیۃ جائتنا من خراسان تحمل انواع الالطاف۔ کان علیہا أنواع من الاموال کلہا۔ فقال اصرفہا الی ابن جعفر بما علیہا۔

فقال ابن جعفر: تلوموننی علی حسن الرای فی ھذا یعنی یزید"۔

(ابن کثیر 'البدایۃ والنہایۃ' ج 8' ص 220)۔

ترجمہ:۔ افسر نے عرض کیا اے امیرالمومنین! یہ چار سو' دو کوہانی اونٹ ہیں جو ہمارے پاس خراسان سے مختلف عمدہ اشیاء لے کر آئے ہیں۔ اور ان اونٹوں پر طرح طرح کے اموال و اسباب لدے ہوئے ہیں تو یزید کہنے لگا۔ یہ سب اور ان پر جو اسباب لدا ہے ابن جعفر کو دے دو۔

پس عبداللہ بن جعفر فرمانے لگے: کیا تم اس شخص یعنی یزید کے بارے میں میرے حسن رائے پر مجھے ملامت کرسکتے ہو۔

سیدنا حسین کے مکہ سے نکل کر سفر کوفہ اختیار کرنے کی اطلاع ملنے پر سیدنا عبداللہ بن جعفر نے اپنے دو فرزندوں کو سیدنا حسین کو واپس لانے کے لئے روانہ کیا۔

"فارسل عبداللہ بن جعفر ابنیہ عونا' و محمدا' لیردا الحسین فابی ان یرجع و خرج الحسین بابنی عبداللہ بن جعفر معہ"۔

(ابن قتیبۃ' الامامۃ والسیاسۃ' جلد 2' ص 2)۔

ترجمہ:۔ پس عبداللہ بن جعفر نے اپنے دو بیٹوں عون و محمد کو بھیجا تاکہ حسین کو واپس (مدینہ) لے آئیں۔ مگر انہوں نے آنے سے انکار کردیا اور عبداللہ بن جعفر کے ان دو بیٹوں کو بھی خروج میں ساتھ لے لیا۔

انہی عبداللہ بن جعفر طیار کے فرزند معاویہ جعفری ہاشمی کی یزید سے گہری دوستی تھی۔

"ونشأ معاویۃ الہاشمی صدیقا' لیزید بن معاویۃ الاموی"۔

(الزرکلی' الاعلام' ص 175)۔

ترجمہ:۔ اور معاویہ ہاشمی نے اس حال میں پرورش پائی کہ وہ یزید بن معاویہ اموی سے دوستی رکھتے تھے۔

3،4۔ سیدنا علی زین العابدین (م 94ھ) و محمد الباقر الھاشمی القرشی (م 112ھ)

سیدنا علی بن الحسین زین العابدین اور ان کی اولاد و اقارب نے واقعہ حرہ کے دوران میں بیعت یزید کو برقرار رکھا اور یزید کو خط لکھ کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا' جس پر یزید نے امیر لشکر مسلم بن عقبہ کو ان سے حسن سلوک کی خصوصی ہدایت فرمائی:۔

"وانظر علی بن الحسین فاکفف عنه واستوص به خیرا' فانه لم یدخل مع الناس وانه قد اتانی کتابه"۔(الکامل لابن الاثیر' 45/4)۔

ترجمہ:۔ اور علی بن حسین کا خاص خیال رکھنا' انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دینا' وہ (باغی) لوگوں کے ساتھ شامل نہیں اور ان کا خط بھی میرے پاس آچکا ہے۔

چنانچہ سیدنا علی زین العابدین کے فرزند سیدنا محمد الباقر سے واقعہ حرہ کے سلسلہ میں روایت ہے کہ ان کے خاندان کا کوئی فرد یزید کے خلاف بغاوت میں شریک نہیں ہوا تھا۔

سئال یحیی بن شبل ابا جعفر عن یوم الحرۃ' هل خرج فیه احد من اهل بیتک ؟ فقال ماخرج احد من آل ابی طالب ولا خرج فیها احد من بنی عبدالمطلب' لزموا بیوتهم۔

فلما قدم مسرف (اعنی مسلم بن عقبة) وقتل الناس وسار الی العقیق' سئال عن ابی علی بن الحسین أحاضر هو؟ فقیل له نعم۔ فقال مالی لا اراه؟ فبلغ ابی ذلک' فجائه و معه ابو هاشم و عبدالله ابنا محمد بن علی (ابن الحنفیة)' فلما رای ابی رحب به واوسع له علی سریره' ثم قال کیف حالک بعدی؟ قال انی احمد الله الیک فقال مسرف: ان امیرالمئومنین اوصانی بک خیرا۔ فقال ابی: وصل الله امیر المئومنین"۔

(ابن سعد' الطبقات الکبری' ذکر علی بن الحسین' والامامة والسیاسة' ج۱' ص 230)۔

ترجمہ:۔ پس جب مسرف (مسلم بن عقبہ) آئے اور (مدینہ کے باغی) لوگوں سے قتل و قتال کے بعد وادی عقیق روانہ ہوئے تو میرے والد علی بن حسین کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ (مدینہ میں) موجود ہیں۔ پس انہیں بتایا گیا کہ ہاں موجود ہیں' تو انہوں نے فرمایا: کیا وجہ ہے

کہ میں ان سے نہیں مل پایا؟ پس جب یہ بات میرے والد تک پہنچی تو وہ محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کے دو بیٹوں ابوہاشم و عبداللہ کے ہمراہ ان کے پاس تشریف لائے۔ پس جب مسلم نے میرے والد کو دیکھا تو انہیں خوش آمدید کہا اور اپنی نشست گاہ پر جگہ دی۔ پھر پوچھا کہ میرے بعد آپ کا حال کیسا رہا تو انہوں نے فرمایا خدا کا شکر ہے۔ مسرف (مسلم) کہنے لگے کہ امیرالمومنین نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی ہے۔ اس پر میرے والد (علی زین العابدین) نے فرمایا: اللہ امیرالمومنین (یزید) کو جزا دے۔

"الامامہ والسیاسہ" میں یہ روایت یوں درج ہے:۔

"وسئال مسلم بن عقبة قبل ان يرتحل من المدينة عن على بن الحسين أحاضر هو؟ فقيل له نعم۔ فاتاه على بن الحسين ومعه ابناه۔ فرحب بهما و سهل و قربهم۔ وقال: ان امير المومنين اوصانى بك۔ فقال على بن الحسين: وصل الله امير المومنين واحسن جزائه"۔

(الامامة والسياسة' جلد اول' ص 230)۔

ترجمہ:۔ مسلم بن عقبہ نے مدینہ سے روانگی سے قبل علی بن الحسین (زین العابدین) کے متعلق دریافت کیا کہ کیا وہ موجود ہیں؟ انہیں بتایا گیا کہ ہاں (مدینہ ہی میں ہیں)۔ پس علی بن حسین اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ اس کے پاس آئے تو اس نے انہیں خوش آمدید کہا۔ استقبال کیا اور اپنے قریب بیٹھایا اور فرمایا:۔ امیرالمومنین (یزید) نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرمائی ہے۔ یہ سنکر علی بن حسین نے فرمایا: اللہ امیرالمومنین پر رحمت فرمائے اور انہیں جزائے خیر دے۔

ابن کثیر واقعہ حرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر اور اہل بیت نے یزید کی بیعت برقرار رکھی۔

"وكان عبدالله بن عمر بن الخطاب وجماعات اهل بيت النبوة ممن لم ينقض العهد ولا بايع احدا بعد بيعته ليزيد"۔

(ابن كثير' البداية والنهاية' ج 8' ص 232)۔

ترجمہ:۔ جماعات اہل بیت نبوت اور عبداللہ بن عمر بن خطاب ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے بیعت (یزید) نہیں توڑی اور یزید کی بیعت کر لینے کے بعد کسی اور کی بیعت نہیں

کی۔

ابن کثیر یہ بھی لکھتے ہیں:۔

"وکذلک لم یخلع یزید احد من بنی عبدالمطلب"۔

(ابن کثیر 'البدایة والنهایة' ج 8' ص 218)۔

ترجمہ :۔ اور اسی طرح بنو عبدالمطلب میں سے کسی ایک نے بھی یزید کی بیعت نہ توڑی۔

5۔ برادر حفصہ ام المومنین' عبداللہ بن عمر العدوی القرشی (م 74ھ 'مکہ)

برادر سیدہ حفصہ ام المومنین سیدنا عبداللہ بن عمر العدوی القرشی کے بیعت یزید برقرار رکھنے کے سلسلہ میں صحیح البخاری 'کتاب الفتن میں روایت ہے کہ:۔

"عن نافع قال: لما خلع اهل المدینة یزید بن معاویة' جمع ابن عمر حشمه وولده' فقال انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: ینصب لکل غادر لواء یوم القیامة۔

وانا قد بایعنا هذا الرجل علی بیع الله ورسوله۔ وانی لااعلم غدرا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع الله ورسوله ثم ینصب له القتال' وانی لا اعلم احدا منکم خلعه ولا بایع فی هذا الامر الاکانت الفیصل بینی وبینه"۔ (صحیح البخاری 'کتاب الفتن' طبع الهند' ج 2' ص 1052)۔

ترجمہ :۔ نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر نے اپنے مخصوصین و اولاد کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ :۔ قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔

اور ہم نے اس شخص (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے نام پر کی ہے۔ اور میں اس سے بڑی غداری کوئی نہیں جانتا کہ کسی شخص سے اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی جائے' پھر اس کے مقابلے میں قتال کے لئے اٹھ کھڑا ہو جائے۔ پس میرے علم میں یہ بات نہ آنے پائے کہ تم میں سے کسی نے یزید کی بیعت توڑی اور اس معاملہ (بغاوت) میں کوئی حصہ لیا ہے' ورنہ میرے اور ایسا کرنے والے کے درمیان کوئی تعلق باقی نہ رہے گا۔

روایات کے مطابق سیدنا عبداللہ بن عمر کی بھتیجی اور سیدنا عمر فاروق کی پوتی سیدہ ام

مسکین بھی سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار کی طرح زوجہ یزید تھیں۔

"ام مسکین بنت عاصم بن عمر' خالۃ عمر بن عبدالعزیز' زوجۃ یزید بن معاویۃ"۔

(ذہبی' میزان الاعتدال فی نقدالرجال' ج 4' ص 400' بذیل الکنی للنسوۃ)۔

ترجمہ :۔ ام مسکین بنت عاصم بن عمر' یزید بن معاویہ کی زوجہ اور عمر بن عبدالعزیز کی خالہ تھیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق عدوی قرشی کے بارے میں ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت حسین اور حضرت ابن زبیر ایک ہی رات میں مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کے لئے نکلے تھے' اس روایت کے حوالے سے ابن کثیر نقل کرتے ہیں کہ اثنائے راہ میں حضرت عبداللہ بن عمر بھی عمرہ سے واپس آتے ہوئے انہیں ملے اور ان دونوں صاحبان سے کہنے لگے:۔

"اذکر کما اللہ الا رجعتما فدخلتما فی صالح مایدخل فیہ الناس وتنظرا فان اجتمع الناس علیہ فلم تشذا وان افترقوا علیہ کان الذی تریدان"۔(ابن کثیر 'البدایۃ والنھایۃ' ج 8' ص 162)۔

ترجمہ :۔ میں اللہ کا واسطہ دے کر تم دونوں سے کہتا ہوں کہ لوٹ چلو تاکہ جو مناسب بات اور لوگ اختیار کریں تم بھی اس کو اختیار کرلو۔ پھر دیکھو اگر لوگ پوری طرح ایک بات (خلافت یزید) پر متفق ہوگئے تو تم انحراف کرنے والوں میں سے نہیں ہوگے اور اگر اختلاف ہوا تو تم دونوں کی مراد پوری ہو جائے گی۔

مگر سیدنا ابن عمر کی اس بات کو نہ سیدنا حسین نے قبول کیا اور نہ ہی سیدنا ابن زبیر نے۔ اور دونوں مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوگئے۔

اکابر قریش و بنی ہاشم و ائمہ اھل تشیع کے بیعت یزید کو برقرار رکھ کر اس کے خلاف بغاوت کی حوصلہ شکنی کرنے کے باوجود ابن کثیر ہی کی بیان کردہ ایک روایت کے مطابق باغیوں پر قابو پانے کے بعد ان کی عورتوں سے بدسلوکی کی گئی۔

"حتی قیل انہ حبلت الف امرأۃ فی تلک الایام من غیر زوج"۔

(ابن کثیر 'البدایۃ' 219/8 الخ)۔

(حتی کہ بیان کیا گیا ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں)۔
محققین کے نزدیک اگر حرم رسول(ص) میں عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی تو یقیناً اکابر قریش و بنی ھاشم اس کی مذمت و تدارک کرتے۔ اس لغو روایت کے قبول کرنے سے ائمہ و صحابہ و تابعین کی جو توہین ہوتی ہے اس کے حوالہ سے برصغیر کے جلیل القدر حنفی عالم و مصنف مولانا عامر عثمانی، مدیر ماہنامہ تجلی دیوبند فرماتے ہیں:۔

"اے جناب محترم! اس فوج کے کمانڈر رسول اللہ کے عمر رسیدہ صحابی مسلم بن عقبہ تھے۔ اور متعدد اور اصحاب بھی ہمرکاب تھے۔ تابعین کی تو کوئی گنتی ہی نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ سپاہی جو کچھ بھی کرتے پھریں، نیک نامی یا رسوائی کا سہرا کمانڈر ہی کے سر بندھتا ہے۔ بربریت کی شہرت یافتہ کہانی کا تو حاصل یہ ہوا کہ بچوں کے قتل اور وحشیانہ شہوت رانی کا کریڈٹ ایک صحابی ہی کے سر گیا۔ ایک صحابی ہی کی سرکردگی میں وہ ناپاک کھیل کھیلا گیا جس پر آپ نے یقین کرلیا۔ ایکِ تیر دو شکار اسی کا نام ہے۔ یزید کی بدنامی بھی ضرب در ضرب بڑھ گئی اور صحابہ کی مطلوب رسوائی اور تذلیل میں بھی چار چاند لگ گئے۔ آپ کا یا جس کا جی چاہے، مدحت حسین کی خاطر یہ سب کچھ دل و جان سے قبول کرلے، ہم تو جب تک قوی روایات سے اثبات نہ کردیا جائے، کبھی ان لرزہ خیز ہفوات کو قبول نہ کریں گے۔ ہم کمزور اور بد بخت راویوں کی زبان سے ہرگز یہ نہیں سننا چاہتے کہ قرون مبارکہ میں بھی مسلمانوں نے حیوانی شہوت رانی اور گھناؤنی عصمت دری کا وہ ذلیل کھیل کھیلا ہے جو بعد ہی کے لوگوں کو زیب دیتا ہے"۔

(مضمون مولانا عامر عثمانی در ماہنامہ تجلی دیوبند، شمارہ جون، جولائی 1961ء)۔

ابن کثیر نے قیل (بیان کیا گیا) لکھ کر اس منفی روایت کے کمزور ہونے کا ثبوت خود ہی فراہم کردیا ہے کیونکہ زنا جیسے سنگین جرم میں جہاں ایک ہزار عورتوں کی بے حرمتی کے ثبوت کے طور پر چار چار گواہوں کے حساب سے چار ہزار عینی شاہدین کے اقوال و شہادات درکار ہیں، کسی کا نام لئے بغیر محض "قیل" لکھ کر متاثرہ خواتین کی تعداد ایک ہزار بتلانے کا مطلب یہ ہے کہ ابن کثیر کے نزدیک بھی یہ روایت مثبت روایتوں کی موجودگی میں شک و شبہ سے بالاتر نہیں۔ اور اس بیان شدہ گھناؤنے جرم کے بعد بھی باغیرت اکابر قریش و بنی ہاشم بشمول اہل بیت علی کا بیعت یزید کو برقرار رکھنا ایسی روایات کے باطل و من گھڑت ہونے کی

محکم دلیل ہے۔ نیز ان حق پرست و باغیرت اکابر قریش و بنی ہاشم کے واقعہ حرہ سے پہلے اور بعد بیعت یزید کو برقرار رکھنے کے حوالہ سے یزید کو واقعہ حرہ کے سلسلہ میں مورد الزام ٹھہرانا اور باغیوں کو برسر حق بتلانا حقائق کے منافی قرار پاتا ہے۔

4۔ بے حرمتی کعبہ

واقعہ حرہ (اواخر 63ھ) کے بعد مسلم بن عقبہ حرم مکی پر سیدنا عبداللہ بن زبیر کا قبضہ ختم کروانے کے لئے مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے' مگر راستہ میں محرم 64ھ میں المشلل کے مقام پر انتقال کر گئے اور امیر حصین بن نمیر السکونی نے قیادت لشکر سنبھالی۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر جنہوں نے صحابہ کرام کی اکثریت کے برعکس خلافت یزید (رجب 60۔ ربیع الاول 64ھ) میں تین سال سے زائد عرصہ تک مکہ کو مرکز بناکر خروج و مقاومت کا عمل جاری رکھا' لشکر یزید کی آمد کے موقع پر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مسجد حرام میں قلعہ بند ہو گئے۔ اور باہم لڑائی میں روایت کیا جاتا ہے کہ لشکر یزید کی سنگباری سے کعبہ کی ایک دیوار شکستہ ہو گئی۔ نیز ایک دوسری روایت کے مطابق لشکر ابن زبیر کے ایک شخص کی بے احتیاطی سے غلاف کعبہ بھی جل گیا۔

"ان رجلا" من اصحاب ابن الزبیر یقال له مسلم اخذ نارا" فی خیفة علی راس رمح فی یوم ریح فطارت بشعلة فلحقت باستار الکعبة' فاحرقتها"۔(البلاذری' انساب الاشراف' ص 55)۔

ترجمہ:۔ ابن زبیر کے ساتھیوں میں سے ایک شخص جسے مسلم کہتے تھے' برچھی کی نوک پر ایک انگارہ اٹھا رہا تھا' اس دن تیز ہوا چل رہی تھی' اس کی چنگاری غلاف کعبہ پر جاپڑی جس سے وہ جل گیا۔

چند ہفتے لشکر یزید کی جانب سے مسجد الحرام و کعبہ میں موجود لشکر ابن زبیر کا محاصرہ جاری رہا' پھر وفات یزید (14 ربیع الاول' 64ھ) کی خبر ملنے پر اٹھالیا گیا۔ اور سیدنا ابن زبیر نے وفات یزید کے بعد باقاعدہ اعلان خلافت کر کے حجاز و عراق پر 73ھ تک اپنی خلافت قائم رکھی۔ بعدازاں حجاج بن یوسف کے دور میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ کعبہ میں باہم لڑائی کے حوالہ سے علامہ شبلی نعمانی عرب مسیحی مورخ جرجی زیدان کے حجاج پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے دیگر دلائل کے علاوہ یہ بھی لکھتے ہیں:۔

"ثم ان من مسائل الفقه ان البغاة اذا تحصنوا بالکعبة لا یمنع هذا عن قتالهم۔ ولذلک امر النبی فی وقعة الفتح بقتل احدهم وهو متعلق

باستار الکعبۃ۔ وابن الزبیر کان عند اہل الشام من البغاۃ"۔
(شبلی النعمانی' رسالۃ الانتقاد)۔

ترجمہ :۔ پھر مسائل فقہ میں سے یہ بھی ہے کہ اگر باغی کعبہ میں قلعہ بند ہو جائیں تو ان کی یہ پناہ گزینی' ان سے جنگ و قتال میں رکاوٹ نہیں بن سکتی اور اس لئے نبی (ص) نے فتح مکہ کے موقع پر ایک کافر کے قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا جو غلاف کعبہ کے پردے پکڑے ہوئے تھا۔ اور حضرت ابن زبیر بھی اہل شام کے نزدیک باغیوں میں سے تھے۔

سنگباری دیوار کعبہ کے الزام کے جواب میں یزید کی صفائی دینے والے کہتے ہیں کہ اول تو یزید دمشق میں اس وقت بستر مرگ پر تھا اور اسے مکہ کے واقعات کی تفصیلات معلوم نہ تھیں۔ نیز اگر خروج کرنے والے کعبہ میں پناہ گزین تھے تو شرعاً ان سے حرم خالی کروانے میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت تھی اور بے حرمتی کعبہ کا الزام غلط ہے کیونکہ یزید تو وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے کعبہ کی تعظیم و توقیر کرتے ہوئے دیبائے خسروی کا غلاف چڑھایا۔

"اول من کساہ (الکعبۃ المعظمۃ) الدیباج یزید بن معاویۃ"۔
(البلاذری' فتوح البلدان' ص 74' والجامع اللطیف' ص 105)۔

ترجمہ :۔ اس (کعبہ معظمہ) پر سب سے پہلے جس (خلیفہ) نے دیبائے خسروی کا غلاف چڑھایا وہ یزید بن معاویہ تھا۔

نیز چودھویں صدی ہجری کے اختتام پر باغیوں سے کعبہ خالی کروانے کے لئے علماء و مفتیان حرمین نے حرم میں لڑائی کے جائز ہونے کا باقاعدہ فتویٰ دیا' جس کے مطابق اسلحہ استعمال کر کے حرم خالی کروایا گیا۔ ممتاز حنفی عالم دین علامہ عطاء اللہ بندیالوی لشکر یزید کے ہاتھوں بے حرمتی کعبہ کے الزام کو غلط قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"1980ء میں چند شرارتی لوگوں نے بیت اللہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ طواف رک گیا' اذان بند ہو گئی۔ تقریباً تیرہ دن جماعت نہ ہو سکی۔ پھر حکومت وقت نے کارروائی کی۔ ٹینک داخل ہوئے گولیاں چلیں' بیت اللہ کو بھی ایک دو گولیاں لگیں۔ حکومت وقت نے بغاوت پر قابو پالیا' باغی گرفتار ہوئے' انہیں پھانسی کی سزا دی گئی۔ خدا کو حاضر ناظر جان کر فیصلہ دیجئے کہ قصور کس کا تھا؟ بیت اللہ کی بے حرمتی کا ذمہ دار کون ہے؟ باغی یا سعودی حکومت؟ ہر صاحب انصاف کا فیصلہ یہی ہو گا کہ جنہوں نے بغاوت کی وہی ذمہ دار ہیں اور جنہوں نے

بغاوت کو کچلنے کے لئے کارروائی کی' وہ بیت اللہ کی بے حرمتی کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اسی طرح واقعہ حرہ میں غلطی اور قصور باغیوں کا ہے۔ یزید کے لشکر نے تو اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے کارروائی کی تھی"۔

(علامہ عطاء اللہ بندیالوی' واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر' ص 26-27' المکتبۃ الحسینیہ' سرگودھا' بار سوم' مئی 1995ء)۔

شیعی روایات کے جامع طبری ہی کی روایت کے مطابق جب مذکورہ حصار ابن زبیر و مبینہ سنگ باری کعبہ کے بعد وفات یزید کی اطلاع پر لشکر یزید مکہ مکرمہ سے دمشق جاتے ہوئے مدینہ سے گزرا تو سیدنا علی زین العابدین نے اس کی مہمان نوازی فرمائی۔ جو لشکر یزید کے بے حرمتی کعبہ کے الزام سے بری الذمہ ہونے کی ایک دلیل قرار دی جاتی ہے۔ ورنہ بے حرمتی کعبہ کے مرتکبین کی خاطر و مدارت چہ معنی دارد؟

"فاستقبله علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب' و معه قت و شعیر۔ فسلم علی الحصین۔ فقال له علی بن الحسین: هذا لعلف عندنا۔ فاعلف منه دابتک۔ فاقبل علی علی عند ذلک بوجهه فامر له بما کان عنده من علف"۔ (تاریخ الطبری' جلد ۷' ص ۱۷)۔

ترجمہ:۔ پس علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے اس (امیر لشکر حصین بن نمیر) کا استقبال کیا اور اپنے ساتھ دانہ چارہ لائے۔ پس انہوں نے حصین کو سلام کیا اور پھر علی بن حسین نے ان سے فرمایا کہ میرے پاس دانہ چارہ ہے' اپنے گھوڑوں کے لئے لے لیجئے' وہ ان کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے دانہ چارہ لینے کا حکم دیا۔

مفسر قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس ہاشمی قرشی (م 68ھ' طائف)

خلافت یزید (60-64)۔ کے دوران میں اہل تشیع کے ہاں بھی معتبر تسلیم کئے جانے والے جلیل القدر صحابی اور نبی و علی کے چچا زاد سیدنا عبداللہ بن عباس الھاشمی القرشی' (م 68ھ) مکہ ہی میں مقیم تھے' مگر وہ وفات یزید تک دیگر اکابر قریش و بنی ہاشم نیز اکثر صحابہ کرام کی طرح بیعت یزید پر قائم رہے۔ اور دیگر اکابر بنو ہاشم کی طرح انہوں نے بھی سیدنا عبداللہ بن زبیر کا ساتھ نہیں دیا۔ جس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ وہ اکثر صحابہ کی طرح یزید کو واقعہ کربلا و حرہ و بے حرمتی کعبہ کا ذمہ دار نہیں سمجھتے تھے۔ آپ نہ صرف یزید کی ابتداء ہی

میں بیعت خلافت کی بلکہ روایت کے مطابق اس کے صالح ہونے کی بھی تصدیق کی۔ عامر بن مسعود جمعی کی روایت کے مطابق جب وفات معاویہ (رجب 60ھ) کی خبر مکہ پہنچی تو ہم لوگ ابن عباس کے پاس گئے:۔

"فقلنا : یا ابن العباس اجاء البرید بموت معاویة۔ فوجم طویلا۔ ثم قال: اللهم اوسع لمعاویة اما والله ماکان مثل من قبله ولا یاتی بعده مثله وان ابنه یزید لمن صالحی اهله فالزموا مجالسکم واعطوا بیعتکم۔

قال بین نحن کذلک اذجاء رسول خالد بن العاص و هو علی مکة یدعوه للبیعة فمضی وبایع"۔

(البلاذری' انساب الاشراف' طبع یروشلم' الجزء الرابع والقسم الثانی' ص 4' والامامة والسیاسة' مطبوعة 1937ء' ص 213' بروایت عتبة بن مسعود)۔

ترجمہ:۔ پس ہم نے بتایا کہ اے ابن عباس! حضرت معاویہ کی وفات کی اطلاع آئی ہے۔ اس پر وہ کافی دیر گم سم بیٹھے رہے' پھر دعا فرمائی:۔ اے اللہ معاویہ کے لئے اپنی رحمت وسیع فرما۔ بخدا وہ اپنے سابقین (ابوبکر و عمر و عثمان و علی) جیسے تو نہ تھے مگر ان کے بعد ان جیسا بھی نہ آئے گا۔ اور ان کا فرزند یزید ان کے خاندان کے صالح افراد میں سے ہے۔ پس تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹکے رہو اور اس کی بیعت کرلو۔

ابن مسعود کا کہنا ہے کہ ابھی ہم اسی حالت میں بیٹھے تھے کہ مکہ کے گورنر خالد بن العاص کا ایلچی ابن عباس کو بیعت (یزید) کے لئے بلانے آگیا۔ پس آپ تشریف لے گئے اور بیعت کرلی۔

کوفہ جانے سے پہلے سیدنا حسین مکہ میں ابن عباس ہی کے گھر پر مقیم رہے تھے اور انہوں نے آپ کو کوفیوں پر اعتبار کرکے خروج و سفر سے منع کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

"والله انی لاظنک ستقتل غدا بین نسائک و بناتک کما قتل عثمان بین نسائه و بناته"۔(ابن کثیر' البدایة والنهایة جلد' 8' ص 164)۔

ترجمہ:۔ بخدا میرا گمان ہے کہ کل کو آپ بھی اپنی عورتوں اور بیٹیوں کے درمیان اسی طرح قتل کردیئے جائیں گے جس طرح عثمان کو ان کی عورتوں اور بیٹیوں کی موجودگی میں

قتل کر دیا گیا تھا۔

برصغیر کے معروف سنی حنفی عالم و مصنف مولانا عامر عثمانی واقعہ حرہ و سنگباری کعبہ کے حوالہ سے ناقدین یزید کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ایک روایت کے مطابق ہوا کسی چولھے سے چنگاری اڑا لے جائے اور غلاف کعبہ آگ پکڑ لے۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ابن زبیر (رض) ہی کے کسی ساتھی کی بے احتیاطی سے غلاف کعبہ جل اٹھے، مگر مجرم بہرحال یزید ہی کے لشکری قرار دیئے جائیں گے۔ یہ ہے راویان خوش بیان کا کمال فن، باغیانہ سرگرمیوں کا مرکز مستخلفین مدینہ و کعبہ کو بنائیں اور کسی پرامن تفہیم و تذکیر کو قبول نہ کریں، لیکن یزید جھک مار کے پولیس ایکشن کا اقدام کرے تو وعید کا مستوجب وہی ٹھہرے۔ پھر ہرزہ سرا قصہ گو تصنیفی قوت سے دو ہزار محترم خواتین مدینہ کو حاملہ بنائیں اور تخیل کی تلوار سے بچوں کو ذبح کریں تو گردن ناپی جائے یزید کی، اور بدنام ہوں وہ معاویہ جنھوں نے یزید کو خلافت سونپی تھی۔ یہ تکنیک دلچسپ ضرور ہے مگر اس لائق نہیں کہ اس پر ایمان ہی لے آیا جائے"۔

تقابلی مطالعہ کے لئے اہل تشیع کے ہاتھوں بے حرمتی کعبہ کے واقعات کے حوالہ سے شیعہ فرقہ قرامطہ کی کارکردگی بھی بطور مثال ملاحظہ ہو۔ اسماعیلی مولف ڈاکٹر زاہد علی قرامطہ کے سن 317ھ کے کارناموں کے سلسلہ میں یہ بھی لکھتے ہیں:۔

"اب تک قرامطہ حاجیوں کے قافلے لوٹا کرتے، لیکن 317ء میں عراق سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے۔ اس سال منصور دیلمی حاجیوں کا سردار تھا۔ یہ ان لوگوں (حاجیوں) کو ساتھ لے کر بغداد سے مکہ روانہ ہوا۔ مکہ معظمہ میں عین "ترویہ" کے روز قرامطہ نے ان پر حملہ کرکے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ ان میں سے کئی آدمیوں کو خود بیت اللہ اور مسجد حرام میں قتل کیا۔ حجر اسود کو اس کی جگہ سے نکال کر اپنے مستقر "ہجر" کو لے گئے، تاکہ اپنے شہر میں حج مقرر کریں۔ ابن مہلب امیر مکہ نے کئی اشراف کو ساتھ لے کر یہ کوشش کی کہ قرامطہ اپنے کرتوت سے باز آئیں، مگر ان کی کوششیں ناکام ہوئیں۔ اس کے بعد بیت اللہ کا دروازہ اور محراب اکھاڑے گئے۔ مقتولوں کے چند لاشے زمزم کے کنویں میں پھینک دیئے گئے اور چند بغیر غسل اور کفن کے مسجد حرام میں دفن کیے گئے۔ اہل مکہ پر بھی مصیبتیں ڈھائی گئیں....

......ابو طاہر نے سن 339ھ میں یہ کہہ کر حجر اسود واپس کیا کہ ہم حکم سے اسے لے گئے تھے اور حکم ہی سے واپس کرتے ہیں۔ تقریباً بائیس سال حجر اسود قرامطہ کے پاس رہا"۔ (ڈاکٹر زاہد علی، تاریخ فاطمیین مصر، ص 448)۔

ان چند اشارات سے واقعہ کربلا و حرہ کی طرح بے حرمتی کعبہ بدست لشکر یزید کے الزامات کی حقیقت کا بھی بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ فمن شاء ذکرہ۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر اور ان کے حامیان کے علاوہ سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے واقعہ کربلا (محرم 61ھ) واقعہ حرہ (اواخر 63ھ) و سنگباری کعبہ (آغاز 64ھ) کے بعد بھی بیعت یزید کو وفات یزید (14 ربیع الاول 64ھ) تک برقرار رکھا۔ حتیٰ کہ وہ جلیل القدر صحابہ و تابعین و اکابر اہل تشیع جو وفات یزید کے بعد تک زندہ رہے، انہوں نے بھی وفات یزید اور آل یزید کی خلافت سے رضاکارانہ دستبرداری کے بعد بھی بطور مجموعی نہ تو اپنی سابقہ بیعت کو شرعاً غلط قرار دیا اور نہ ہی وفات یزید کے بعد اسے واقعہ کربلا وحرہ و بے حرمتی کعبہ کا ذمہ دار قرار دیا۔ ان صحابہ و تابعین میں سے چند بیعت کنندگان یزیدؒ و راویان حدیث و علوم دین کے اسماء گرامی بطور مثال درج ذیل ہیں:۔

1۔ داماد علی و شوہر سیدہ زینب سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار ہاشمی قرشی (م 85ھ، مدینہ)۔

2۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص (م 68ھ، مصر) تعداد روایات حدیث 700۔

3۔ عم زاد نبی و علی ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس ہاشمی قرشی (م 68ھ، طائف) تعداد روایات حدیث 1660)۔

4۔ برادر سیدہ حفصہ ام المومنین سیدنا عبداللہ بن عمر عدوی قرشی (م 74ھ، مکہ) تعداد روایات حدیث 2630)۔

5۔ سیدنا ابو سعید خدری، سعد بن مالک (م 74ھ، مدینہ) تعداد روایات حدیث 1170۔

6۔ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری (م 78ھ، مدینہ) تعداد روایات حدیث 154۔

7۔ سیدنا انس بن مالک (م 90 یا بعد ازاں)۔ تعداد روایات حدیث 2286۔

تابعین عظام ائمہ اہل تشیع

8۔ برادر حسنین سیدنا محمد بن علی، ابن الحنفیہ (م 81ھ، مدینہ)۔

9۔ سیدنا علی بن حسین، زین العابدین (م 94ھ، مدینہ)۔

10۔ سیدنا محمد الباقر بن علی زین العابدین (م 112ھ ' مدینہ)۔

تقدس حرمین اور شیعہ اثنا عشریہ

شیعہ قرامطہ کے بعد بے حرمتی کعبہ کے حوالہ سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فروری 1979ء میں امام خمینی کے زیر قیادت انقلاب کے بعد حرمین شریفین میں ایرانی حجاج نے جلوسوں' مظاہروں اور نعرہ بازی کا سلسلہ شروع کیا جس کی مثال صدیوں کی تاریخ اسلام میں اہل تشیع کے علاوہ کوئی اور مذہبی گروہ یا قوم تاحال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حتیٰ کہ ایام حج میں تلبیہ (لبیک اللھم لبیک الخ) کے ساتھ ساتھ (لا الہ الا اللہ۔ خمینی روح اللہ) اور (اللہ واحد۔ خمینی قائد/ خمینی واحد) کے نعرے بھی گونجتے رہے اور (مرگ بر امریکا) کا وظیفہ بھی عبادت حج میں جاری و ساری رہا۔ اس حوالہ سے خادم الحرمین الشریفین شاہ خالد بن عبدالعزیز مرحوم نے امام خمینی کو جو خط لکھا اس میں اس بات پر امام خمینی کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ایرانی حجاج کو حرمین شریفین میں سنی آئمہ مساجد کے زیر اقتداء نماز جمعہ و عام نمازوں کی باجماعت ادائیگی نیز ایران کے بجائے رویت ہلال ذی الحجہ کے سلسلہ میں سعودی اہل سنت علماء کے فتویٰ کے مطابق وقوف عرفات ومناسک حج پر عمل کا حکم دیا ہے۔ مگر ساتھ ہی امام خمینی سے یہ شکایت فرمائی کہ ایرانی حجاج نے طواف کعبہ کے دوران باآواز بلند نعرہ بازی کی اور "اللہ اکبر۔ خمینی اکبر" "اللہ واحد۔ خمینی واحد" کے نعرے بھی لگاتے رہے' جس سے حجاج بیت اللہ میں سخت برہمی کی لہردوڑ گئی الخ۔

(مکتوب شاہ خالد نیز امام خمینی کے جوابی خط کے مکمل متن و ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو' انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت' ایک سفر خیال کی سرگزشت' از مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی' حاجی عارفین اکیڈمی کراچی' ضمیمہ ص 68۔77) متن مکتوبات منقول از خطوط مطبوعہ ادارہ "جہاد سازندگی" حکومت ایران)۔

یہ طویل خطوط من و عن نقل کرنے گے بعد مولانا سنبھلی تبصرہ فرماتے ہیں:۔

"شاہ خالد کے خط میں ایک سیدھی سادی گزارش ہے کہ ایرانی حجاج کی نعرہ بازی اور جلوس آرائی احترام و ادب بیت اللہ کے خلاف ہے' اس لئے آئندہ ان کو اس سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی جانی چاہئے جیسا کہ آپ سے امید ہے۔ خمینی صاحب کا جواب بتلاتا ہے کہ

وہ شاہ خالد کے موقف سے اتفاق نہیں فرماتے' لیکن وہ صاف صاف ایک جگہ بھی یہ نہیں کہتے کہ یہ خلاف ادب نہیں ہے۔ حالانکہ یہی وہ واحد بات تھی جس پر انہیں صاف صاف اظہار خیال کرنا چاہئے تھا۔ اس کے بجائے وہ جواب یوں دیتے ہیں کہ اسلام تو عبادت اور سیاست دونوں کا جامع ہے اور حرمین شریفین عہد رسالت اور پھر مابعد رسالت کے دور میں بھی ایک عرصہ تک اسلامی سیاست کا مرکز رہے ہیں' پھر کیونکر سعودی حکومت اور اس کے علماء ایرانی حجاج کی وہاں سیاسی نعرہ بازیوں پر معترض ہوتے ہیں۔

یہ ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد: "**کلمه حق ارید بها الباطل**" کے مطابق ایک صحیح بات سے غلط کام لینے کی کوشش ہے' کیونکہ بات اسلام میں سیاست شامل ہونے نہ ہونے کی نہیں ہے بلکہ حج کا احرام باندھ کر بیت اللہ میں سیاسی نعرہ بازی کی ہے"۔

(عتیق الرحمٰن سنبھلی' انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت' ص 78)۔

اسی سلسلہ کلام میں مولانا سنبھلی مزید لکھتے ہیں:۔

"بہرحال خمینی واحد یا خمینی قائد کے نعرے اللہ واحد کے ساتھ ایرانی حجاج نے بیت اللہ میں بلند کئے' اور یہ تاریخ اسلام میں شاید تنہا خمینی صاحب ہی کو جرات ہو سکی ہے کہ وہ اسلام کے علمبردار ہوتے ہوئے اللہ کے بیت مقدس میں اللہ کی عظمت و وحدانیت کے ساتھ ساتھ اپنی عظمت کے بھی نعرے بلند کروائیں' ورنہ کون خدا فراموش مسلمان حکمران یا قائد بھی اس بات کو سوچ سکتا ہے کہ وہ اللہ کے تخت جلالت کے روبرو اپنی عظمت کا بھی اظہار کرائے؟ ہمارا خیال ہے کہ خمینی صاحب کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے ان کا اسلام کیا ہے اور وہ عالم اسلام کو کیا دے سکتے ہیں' تنہا یہی ایک بات بالکل کافی ہے۔ کسی بھی دوسری بات کی اس کے بعد ضرورت نہیں' اور اگر اس پر اتنی بات کا اور اضافہ کر لیا جائے کہ یہ صرف نعرہ بازی ہی نہیں تھی بلکہ جیسا کہ ایرانی اخبارات میں ان نعرہ باز لوگوں کی اس موقع کی تصویریں شائع ہوئی ہیں اور جو ایرانیوں کا عام دستور بھی ہے' یہ خمینی صاحب کی تصویریں بھی اٹھائے ہوئے تھے' تب تو خمینی صاحب اور ان کے حجاج کی جرات کا واقعی پیمانہ ظاہر کرنے کے لئے الفاظ ہاتھ نہیں آسکتے"۔

(عتیق الرحمٰن سنبھلی' انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت' ص 80)۔

مولانا سنبھلی انقلاب ایران کی تیسری سالگرہ میں شرکت کی دعوت پر 2 فروری سے 14 فروری 1982ء تک اپنے دورہ ایران کے حوالہ سے یہ بھی فرماتے ہیں کہ تہران کے مہمان خانہ بزرگ "استقلال ہوٹل" میں ایک عربی بینر پر بیت المقدس اور گولان کی پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ کعبہ کو بھی غاصبین سے آزاد کرانے کا عزم و اعلان درج تھا:۔

"سنتحد و سنتلاحم حتی نسترد من ایدی المغتصبین اراضینا المقدسة' القدس والکعبة و الجولان"۔

ہم متحد ہوں گے اور جنگ آزما ہوں گے' یہاں تک کہ غاصبوں کے قبضے سے اپنی مقدس زمینیں' بیت المقدس' کعبہ اور گولان واپس لے لیں"۔

(عتیق الرحمن سنبھلی' انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت' ص 44)۔

"بہرحال اس بینر کے آویزاں ہونے کے بعد جوں ہی میری نظر اس پر پڑی حجاج ایران کی نعرہ بازی حرمین یاد آگئی اور خمینی صاحب کا شاہ خالد کو جواب اور اب اوپر کے بیان کردہ پورے پس منظر کو اس بینر کے ساتھ رکھتے ہوئے' کسی ہلکے سے ہلکے شبے کی بھی گنجائش اس میں نہیں رہی کہ حرمین بشمول کل عالم اسلام پر شیعی تسلط اس انقلاب کا ایک قطعی ہدف ہے' اور دوسری بات' کہ انقلاب اسلامی تو ہے مگر خالص شیعی اسلام کے معنی میں۔ نہ صرف ایران کے لئے' بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے"۔

(عتیق الرحمن سنبھلی' انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت' ص 45)۔

ضمناً" یہ بھی واضح ہے کہ امام خمینی کی جانب سے ایران و دیگر ممالک کے اہل تشیع کو اہلسنّت کے ساتھ نماز باجماعت کی ادائیگی و سنی فتوی رویت ہلال پر عمل کی "تلقین محض تقیہ مداراتی کی بنیاد پر ہے جو کہ فقہ جعفری کی رو سے تقیہ (خود کو اپنے اصل عقیدہ و مذہب کے برخلاف ظاہر کرنا کی وہ قسم ہے جس کے مطابق جان و مال وغیرہ کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو (جس میں تقیہ اضطراری کیا جاتا ہے)' تب بھی غیر شیعوں (اہل سنت وغیرہ) کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے عبادات وغیرہ میں اپنا طریقہ چھوڑتے ہوئے ان کے طریقے کو اعتقاداً" غلط سمجھنے کے باوجود ان کی طرح عمل کیا جائے' اس کا نام "تقیہ مداراتی" (خوش اخلاقی والا تقیہ) ہے۔ پہلے اس قسم کے تقیہ مداراتی کے ساتھ ادا کردہ عبادت بالعموم واجب الاعادہ تھی یعنی نماز وغیرہ کو بعد میں الگ سے دہرانا لازم تھا' مگر امام خمینی نے انقلاب ایران کے وسیع تر

مقاصد کی خاطر اعلان فرمادیا کہ انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں' اور اس سلسلہ میں ایرانی علماء نے ماضی کے برعکس شیعی روایات و احادیث و تعامل ائمہ شیعہ سے لاجواب دلائل بھی فراہم کردیئے ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تقیہ مداراتی زمینہ ساز وحدت" تالیف آیت اللہ فاضل لنکرانی' طبع قم)۔

بہرحال تقیہ مداراتی کی بناء پر امام خمینی کے مذکورہ فتاوی مورخہ 28 شوال 1399ھ درج ذیل ہیں:۔

"1۔ اگر اہل سنت علماء کے نزدیک ذی الحج کی پہلی تاریخ ثابت ہوئی اور انہوں نے پہلی تاریخ کا فیصلہ کردیا تو شیعہ حجاج کو ان کی پیروی کرنی چاہیے۔ اور اس روز جب تمام مسلمان عرفات جاتے ہیں' وہ بھی جائیں اور ان کا حج صحیح ہوگا۔

2۔ نماز جماعت کے شروع ہونے کے وقت مسجد الحرام یا مسجد المدینہ سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے اور شیعوں پر واجب ہے کہ ان کے ساتھ نماز جماعت ادا کریں۔

3۔ اہل سنت کی جماعت میں شرکت کے لئے اگر کوئی شخص تقیہ کی خاطر ان کی طرح وضو کرے اور ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے اور پیشانی کو زمین پر ٹکائے تو اس کی نماز صحیح ہے اور پھر سے پڑھنا ضروری نہیں۔

4۔ مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں مہر نماز رکھنا اور اس پر سجدہ کرنا حرام ہے اور نماز میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔

5۔ اشھد ان علیا ولی اللہ' کا کہنا اذان و اقامت کا جزء نہیں اور ایسی جگہ پر جہاں تقیہ کے خلاف ہو اس کا کہنا حرام ہے اور نہیں کہنا چاہیے۔

(امام خمینی' 28 شوال 1399' قمری ہجری)"۔

(بحوالہ مقالہ بی آزار شیرازی' اتحاد اسلامی' مطبوعہ در مجلہ "فجر" شمارہ 18' ربیع الاول' 1405ھ' ص 28۔29' اسلام آباد' رائیزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران)۔

تقیہ مداراتی کی بناء پر امام خمینی کا سفارت جمہوری اسلامی ایران دہلی کے ایک سوال کے جواب میں ایک اور فتویٰ بھی ملاحظہ ہو:۔

"سفارت جمہوری اسلامی ایران در دہلی نو (ہندوستان) سوال را بشرح زیر مطرح واز دفتر حضرت امام استفتاء نمودہ است۔

سوال :۔ در غیر موارد حج شیعیان می توانند بہ امام اہل تسنن اقتداء نمایند یا خیر؟
جواب :۔ بسمہ تعالیٰ :۔ می توانند۔
سوال :۔ حج کے موقع کے علاوہ شیعہ افراد' اہل تسنن سے تعلق رکھنے والے امام کی اقتداء (امام کے پیچھے نماز پڑھنا) کرسکتے ہیں یا نہیں؟
جواب :۔ بسمہ تعالیٰ :۔ کرسکتے ہیں۔

مہر اور دستخط
(سید روح اللہ موسوی الخمینی)"۔

(بحوالہ مجلّہ "وحدت اسلامی" راولپنڈی اسلام آباد' شمارہ 11' جلد 1' محرم 1404ھ' ص 18' یکے از مطبوعات سفارت جمہوری اسلامی ایران در پاکستان)۔

تقدس حرمین کے حوالہ سے امام خمینی اور ان کے فرقہ شیعہ اثنا عشریہ کے بارہویں امام محمد المہدی کے بارے میں شیعہ مجتہد اعظم ملا باقر مجلسی (م 1111ھ) کی امام جعفر سے منسوب راوی مفضل کی بیان کردہ ایک طویل روایت میں یہ بھی درج ہے کہ اثنا عشری امام مہدی ظہور فرمانے کے بعد مکہ سے مدینہ جائیں گے اور ابوبکر و عمر کی لاشیں روضہ رسول(ص) سے نکال کر علی کو خلافت سے محروم کرنے نیز دیگر جرائم کی بناء پر آگ میں جلاکر راکھ کردیں گے۔ (باقر مجلسی' حق الیقین' ص 145 دربیان رجعت' نیز تفصیل و ترجمہ روایت کے لئے ملاحظہ ہو ایرانی انقلاب' امام خمینی اور شیعیت' مؤلفہ مولانا محمد منظور نعمانی' ص 213-219' مطبوعہ مکتبہ مدنیہ' لاہور)۔

علاوہ ازیں ملا باقر مجلسی نے ابن بابویہ کی علل الشرائع کے حوالہ سے امام باقر سے منسوب کرکے روایت نقل کی ہے کہ :۔

"چوں قائم ما ظاہر شود عائشہ را زندہ کند تا براو حد بزند و انتقام فاطمہ ما ازو بکشد"۔ (باقر مجلسی' حق الیقین' ص 139)۔

ترجمہ :۔ جب ہمارے قائم زمانہ (امام مہدی) ظاہر ہوں گے تو عائشہ کو زندہ کرکے ان پر حد جاری کریں گے اور ہماری فاطمہ کا انتقام ان سے لیں گے۔

ان مختصر اشارات سے تقدس حرمین کے تاریخی تناظر میں سیدنا ابوبکر و عمر نیز اہل بیت رسول عائشہ ام المومنین جیسے عظیم المرتبت صحابہ و اہل بیت اور حرمین شریفین کے بارے

میں شیعی عزائم کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حجاج اہل تشیع کے ہاتھوں بے حرمتی کعبہ و حرمین کے سلسلہ میں مفتی اعظم و امیر شریعت مدھیہ پردیش مولانا محمد عبدالرزاق علماء و مفتیان امت کی ترجمانی کرتے ہوئے درج ذیل فتویٰ صادر فرماتے ہیں:۔

"شہر بھوپال کے ہم خادمان علم دین خصوصاً جامعہ اسلامیہ عربیہ' مسجد ترجمہ والی کے اساتذہ' حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کے اس سوال پر جو خمینی فرقہ اثنا عشریہ کے متعلق ہے' جس کا جواب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ العالی امیر شریعت' ہند نے دیا ہے' حرف بہ حرف تائید کرتے ہیں اور ان حضرات کی جرات و ہمت کی داد دیتے ہیں' جنہوں نے ہمت اور عزیمت کے ساتھ یہ فیصلہ دیا ہے' اور ان اسلام دشمنوں کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر فرمایا جن سے ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچا ہے اور اب بھی یہ فرقہ باطلہ (کلمہ حق ارید بہ الباطل) کے ساتھ میدان میں آکر حرمین شریفین کو میدان جنگ بنا رہا ہے' جس کے متعلق خدا کا فرمان ہے۔ (ومن دخلہ کان آمنا)۔

وہاں حامیان خمینی (اللہ اکبر' خمینی رہبر) کا نعرہ لگا کر بجائے عبادت اور حج کے شور کرتے ہیں اور نعرہ بازی کرتے ہیں' جو غیر مسلموں (مشرکین مکہ) کے لئے قرآن نے کہا ہے:۔ (وما کان صلاتھم عند البیت الامکاء و تصدیة)۔ یہ مشرکین کی عبادت کے طریقہ کی تائید کرتے ہیں۔ خدا نے تو مسلمانوں کو خاموش رہ کر اور عجز و انکساری کے ساتھ عبادت کا حکم دیا' کما قال تعالیٰ:۔ (ادعوا ربکم تضرعا و خفیة) اسلامی طریقہ کو چھوڑ کر مشرکین کے طریقہ کو اختیار کرتے ہیں۔ بلاشک یہ اسلام سے خارج ہیں۔ ایسے لوگوں کو تو حج اور مسجد نبوی کی زیارت سے روکا جائے۔ اللھم احفظنا من شرورھم۔

واللہ اعلم بالصواب۔ الجیب:۔ محمد عبدالرزاق عفی عنہ

(مفتی اعظم و امیر شریعت' مدھیہ پردیش و ناظم جامعہ اسلامیہ عربیہ بھوپال)۔

سید عابد وجدی۔ قاضی دارالقضاء' بھوپال۔

عبداللطیف۔ نائب قاضی دارالقضاء' بھوپال۔

محمد سعید مجددی غفرلہ۔ خانقاہ مجددیہ بھوپال۔

محمد علی غفرلہ۔ نائب مفتی بھوپال و استاذ حدیث و فقہ دارالعلوم تاج المساجد' بھوپال۔

(نیز متعدد دیگر علماء کرام و مفتیان عظام کے تائیدی دستخط)۔
(بحوالہ خمینی اور شیعہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ' مرتبہ مولانا منظور نعمانی' مطبوعہ لاہور' حصہ دوم' ص 128-129)۔

خلاصہ کلام یہ کہ لشکر یزید' شیعہ قرامطہ اور شیعہ اثنا عشریہ کے حوالہ سے بےحرمتی کعبہ و حرمین کے سلسلہ میں درج ان چند اشارات و اقتباسات سے مختلف ادوار میں بے حرمتی کعبہ و حرمین کے حقائق و الزامات کی تحقیق و تجزیہ میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ فمن شاء ذکر۔

جدید غیر مسلم محققین اور یزید۔

یزید کے حوالے سے مختصراً بعض غیر مسلم محققین کی آراء بھی قابل توجہ ہیں۔ جن سے غیر جانبدارانہ تحقیق و تجزیہ میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

1۔ مستشرق دی خوے مقالہ نگار انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔

مشہور مستشرق دی خوے اپنے مقالہ بعنوان "خلافت" میں خلفائے بنی امیہ کے حالات میں رقم طراز ہیں:۔

"تہمت تراشی اور افترا پردازی کا جو منظم پروپیگنڈہ بنی امیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے علویوں اور عباسیوں کی جانب سے منظم طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا' اس کی مثال شاید ہی کسی اور جگہ ملے۔ ن کے داعیوں اور ایجنٹوں نے ہر قسم کی برائی و معصیت کو جو تصور کی جاسکتی تھی' بنی امیہ سے منسوب کیا۔ ان پر الزام لگایا کہ مذہب اسلام ان لوگوں کے ہاتھوں میں محفوظ نہیں۔ اس لئے یہ ایک مقدس فریضہ ہوگا کہ دنیا سے ان کو نیست و نابود کردیا جائے۔ بنی امیہ کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچی ہے' اس میں عباسیوں کے ان ہی خیالات و تاثرات کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا جاسکتا ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا' ج 5' گیارہواں ایڈیشن' مقالہ دی خوے بعنوان "خلافت"۔

2۔ مؤلف کتاب بازنطینی سلطنت (Byzantine Empire)۔

"رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم کے عہد سلطنت کا آغاز ہی تباہی کے ساتھ ہوا۔ خلیفہ معاویہ کی افواج اور بیڑہ جہازات نے افریقہ' سسلی اور ایشیائے کوچک پر بیک وقت حملے شروع کئے جو بطور پیش خیمہ کے تھے۔

673ء میں خلیفہ موصوف نے ایک ایسی زبردست بری و بحری مہم کی تیاری کی جس کے مثل اس وقت تک عربوں کی جانب سے معرکہ آرائی کی کوئی مہم نہیں بھیجی گئی تھی۔ یہ عظیم الشان بیڑا جہازات افریقہ' سسلی اور قسطنطنیہ کے محاصرے کے لئے ملک شام سے

روانہ ہوئے۔ ایسی زبردست مہم مسلمانوں کی جانب سے اب تک نہیں بھیجی گئی تھی۔
جنرل عبدالرحمٰن کی معیت میں خلیفہ کے فرزند اور ولی عہد یزید بھی متعین تھے۔
اسلامی بیڑہ جہازات نے رومی شاہی بیڑے کو شکست دے کر درہ دانیال میں اپنا راستہ نکال لیا' اور شہر سائزکس پر قبضہ کرکے اس کو اپنا فوجی کیمپ بنالیا اور باسفورس کی ناکہ بندی کردی۔ چار سال تک محاصرہ جاری رہا۔ محصور فوج نے زبردست مقاومت کرکے اور کچھ نہیں تو روز بد کو کچھ دنوں تک ٹالے رکھا"۔ (بازنطینی سلطنت' Byzantine Empire' ص 170)۔

3۔ مقالہ نگار انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لیدن)۔

"یزید نہ تو غیر سنجیدہ اور بے ہودہ شہزادہ تھا اور نہ ایسا لا ابالی اور بے پرواہ حکمران جیسا ان مورخین نے بیان کیا ہے جو یا تو شیعوں کے بغض و عناد سے تاثر پذیر ہیں یا عراق و حجاز (شام) کے سیاسی جھگڑوں کے حالات سے۔ یا پھر اس کی بہت ہی مختصر مدت حکمرانی کے حادثہ کا اثر لئے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یزید نے اپنے والد (معاویہ) کی پالیسی و طریق کار بدستور جاری رکھنے کی کوشش کی' اور ان کے باقی ماندہ رفقائے کار کو قائم و برقرار رکھا۔ وہ خود شاعر تھا' موسیقی کا ذوق رکھتا تھا۔ اہل ہنر اور شعراء کا قدر دان تھا۔ اور ادب و آرٹ کا مربی اور سرپرست تھا۔

مملکت کے شمالی علاقہ میں اس نے نئی فوجی چھاؤنی "جند قنسرین" قائم کرکے ملک شام کے دفاع اور عسکری قلعہ بندی کی تکمیل کی' اور انتظامی نظام کو مکمل کردیا۔ مالیات کی از سرنو تنظیم کی۔ نجرانی عیسائیوں کے جزیہ کو جو خلیفہ عمر کے عہد میں ملک عرب سے حکمانہ طور پر خارج البلد کئے گئے' ہلکا کردیا۔ برخلاف اس کے سامری یہودیوں پر جن کو ابتدائی فتوحات اسلامی کے زمانہ میں بصلہ خدمات جزیہ سے مستثنیٰ کیا گیا تھا' جزیہ عائد کردیا۔

یزید کو زراعت کی ترقی سے دلچسپی تھی۔ دمشق کے نخلستانی غوطہ میں آبپاشی کے سسٹم کو مکمل کرنے کی غرض سے بالائی علاقہ میں ایک نہر کھدوائی جو اس کے نام سے "نہر یزید" کہلاتی ہے' اور مضافات سلیمیہ کی اس سے آبپاشی ہوتی ہے۔ خلفائے اسلام میں تنہا یزید ہی ایسا خلیفہ ہے جس کو مہندس (نہرو کاریز کا ماہر انجینئر) کا لقب دیا گیا تھا"۔

(مقالہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام' لیدن)۔

4۔ مئولف کتاب "Continuatica Byzantina Arabica"۔

"یزید حد درجہ متواضع و حلیم، سنجیدہ و متین، خود بینی و تکبر سے مبرا، اپنی زیر دست رعایا کا محبوب، تزک و احتشام شاہی سے متنفر، معمولی شہریوں کی طرح زندگی بسر کرنے والا اور مہذب تھا"۔

مورخ ولھاؤزن، مقالہ نگار انسائیکلو پیڈیا آف اسلام اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"کسی بھی خلیفہ کی مدح و ثناء اس طور سے نہیں ہوئی۔ یہ الفاظ تو دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے ہیں"۔

(ولھاؤزن، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ص 1163)۔

پہلی صدی ہجری کے بارہ قریشی خلفاء اسلام
(خلافت صحابہ راشدین (رض) و خلافت عامہ تابعین)

"لایزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفة کلھم من قریش"۔

الحدیث (مشکاۃ المصابیح، باب مناقب قریش)۔

اسلام بارہ خلفاء تک غالب و باعزت رہے گا جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

1۔ امام اول و خلیفہ بلا فصل سیدنا ابوبکر صدیق (عبداللہ) بن ابی قحافہ التمیمی القرشی، رضی اللہ عنہ، (11-13ھ)۔

2۔ امام ثانی سیدنا عمر بن الخطاب العدوی القرشی، رضی اللہ عنہ، (13-23ھ)۔

3۔ امام ثالث سیدنا عثمان بن عفان ذوالنورین الاموی القرشی، رضی اللہ عنہ، (24-35ھ)۔

4۔ امام رابع سیدنا علی بن ابی طالب الھاشمی القرشی، رضی اللہ عنہ 35-40ھ)۔

5۔ امام خامس سیدنا حسن بن علی الھاشمی القرشی، رضی اللہ عنہ (40-41ھ)۔

6۔ امام سادس سیدنا معاویہ بن ابی سفیان الاموی القرشی، رضی اللہ عنہ (41-60ھ)۔

7۔ یزید بن معاویہ الاموی القرشی (60-64ھ)۔

8۔ معاویہ ثانی بن یزید الاموی القرشی (ربیع الاول۔ جمادی الثانی 64ھ، رضاکارانہ دست برداری مثل سیدنا حسن)۔

9۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر الاسدی القرشی، رضی اللہ عنہ (جمادی الثانی۔ ذیقعد 64ھ، 64-73 خلافت در حجاز و عراق)۔

10۔ سیدنا مروان بن الحکم الاموی القرشی، رضی اللہ عنہ (ذوالقعدہ 64۔ رمضان 65ھ)۔

11۔ عبدالملک بن مروان الاموی القرشی، (65-86ھ)۔

12۔ ولید بن عبدالملک الاموی القرشی (86-96ھ، فتح سندھ 93ھ بقیادت محمد بن قاسم)۔

نوٹ:۔ بعض اکابر امت نے سیدنا حسن و معاویہ ثانی کی رضاکارانہ دستبرداری نیز سیدنا مروان (خلافت مصر و شام) اور سیدنا عبداللہ بن زبیر (خلافت حجاز و عراق) کی بیک وقت متوازی خلافت پر عالم اسلام کے متفق و متحد نہ ہونے کی بناء پر ان چاروں محترم خلفاء کے بجائے درج ذیل چار خلفاء بنو امیہ کو مذکورہ بارہ قریش خلفاء میں شامل کیا ہے جن پر امت کا اجماع رہا۔ (ملا علی قاری، شرح الفقہ الاکبر، ص 84، طبع مجتبائی)۔

☆ سلیمان بن عبدالملک الاموی القرشی (96۔99ھ)۔

☆ عمر بن عبدالعزیز الاموی القرشی (99۔101ھ)۔

☆ یزید بن عبدالملک الاموی القرشی (101۔105ھ)۔

☆ ہشام بن عبدالملک الاموی القرشی 105۔125ھ)۔

5۔ بنو ہاشم و امیہ

قریش بنو ھاشم و بنو امیہ کے درمیان نہ صرف عصر نبوی و خلافت راشدہ میں قرابت و مودت کے انتہائی قریبی تعلقات قائم تھے' بلکہ جنگ صفین و کربلا و حرہ سے پہلے اور بعد ازاں بھی باہم شادی بیاہ کا سلسلہ وسیع پیمانے پر جاری رہا جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ بعض سیاسی و شخصی اختلافات کے باوجود بنو ہاشم' یزید و بنو امیہ کو واقعہ کربلا و حرہ کا ذمہ دار قرار نہیں دیتے تھے' بلکہ اس کی بنیادی ذمہ داری شیعان عراق و کوفہ اور دشمنان بنو ہاشم و امیہ پر عائد کرتے تھے۔ اس پس منظر میں سادات قریش کے حوالہ سے بعض تفصیلات درج ذیل ہیں۔

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ بنت وھب انصار مدینہ کے قبیلہ بنو زہرہ کے سردار کی بیٹی تھیں۔

2۔ متعدد ازواج رسول (ص) امہات المومنین سادات قریش کے مختلف اہم قبائل سے تعلق رکھتی تھیں۔ یعنی سیدہ خدیجہ (بنو اسد)' سیدہ عائشہ (بنو تمیم)' سیدہ حفصہ بنت عمر (بنو عدی)' سیدہ رملہ' ام حبیبہ (بنو امیہ)' سیدہ زینب بنت جحش (پھوپھی زاد) سیدہ ہند' ام سلمہ (بنو مخزوم) میں سے تھیں۔

3۔ ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ (بنو عدی بنو نجار) ام المساکین زینب بنت خزیمہ (بنو بکر بن ہوازن) سیدہ میمونہ بنت الحارث (ہمشیرہ زوجہ سردار نجد)' سیدہ جویریہ بنت الحارث (بنو مصطلق)' سیدہ صفیہ بنت حی بن اخطب (دختر رئیس یہود بنی نضیر) اور سیدہ ماریہ قبطیہ ام ابراہیم مصر کے عیسائی قبطی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔

4۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بڑی بیٹی سیدہ زینب کی شادی سیدہ خدیجہ کے بھانجے سیدنا ابوالعاص بن ربیع الاموی القرشی سے کی' جبکہ دوسری اور تیسری بیٹی سیدہ رقیہ و ام کلثوم کی شادی یکے بعد دیگرے اپنی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے سیدنا عثمان بن عفان اموی قرشی سے کی۔ اور چوتھی بیٹی سیدہ فاطمہ کی شادی سیدنا علی بن ابی طالب ہاشمی قرشی سے کی۔

5۔ نواسی رسول (ص) سیدہ امامہ امویہ قرشیہ (بنت ابوالعاص و زینب) کی شادی وفات سیدہ فاطمہ کے بعد ان کی وصیت کے مطابق سیدنا علی بن ابی طالب ہاشمی قرشی سے ہوئی۔

(الکمال فی اسماء الرجال للخطیب التبریزی' تذکرہ ابوالعاص و امامہ بنت ابی العاص)۔

6۔ نواسی رسول(ص) سیدہ زینب (بنت علی و فاطمہ) کی شادی سیدنا علی کے بھتیجے عبداللہ بن جعفر طیار سے ہوئی' اور انہی عبداللہ بن جعفر کی بیٹی (سیدہ زینب کی سوتیلی بیٹی) سیدہ ام محمد کی شادی یزید بن معاویہ سے ہوئی۔ (جمھرۃ الانساب لابن حزم' ص 62)۔

7۔ نواسی رسول(ص) سیدہ ام کلثوم (بنت علی و فاطمہ) کی شادی سیدنا علی نے خلافت فاروقی میں سیدنا عمر فاروق عدوی قرشی سے کی' جس سے ایک بیٹا زید اور ایک بیٹی رقیہ بھی پیدا ہوئی۔ سید محمود احمد عباسی ہاشمی اس نکاح کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

"معزالدولہ دیلمی اور اس کا خاندان رفض میں غلو رکھتے تھے۔ ماتم حسین کی بنیاد ابتداء اسی نے ڈالی تھی۔ لیکن بعد میں جب سیدہ ام کلثوم کے حضرت فاروق اعظم کے حبالہ عقد میں آنے کا حال اس کو متحقق ہوگیا تو وہ حیرت زدہ ہو کر کہتا تھا۔ ماسمعت ھذا قط۔ (ص 62' ج 11' البدایہ والنھایہ)۔ یعنی میں نے یہ بات قطعاً" نہیں سنی تھی۔ پھر وہ شیعیت کے عقائد سے تائب ہوا: ورجع الی السنہ ومتابعتہا۔ (ص 262' ایضا")۔ حضرت علی اور حضرت فاروق اعظم کی آپس میں محبت و اتحاد کا اس کے نزدیک یہ رشتہ بڑا قوی ثبوت تھا"۔

(محمود احمد عباسی' خلافت معاویہ و یزید' کراچی' جون 1962ء' ص 266)۔

مزید براں سیدنا عمر کی پوتی سیدہ ام مسکین بنت عاصم بن عمر کی شادی یزید بن معاویہ سے ہوئی۔ جو کہ عمر بن عبدالعزیز کی خالہ تھیں۔

(ذہبی' میزان الاعتدال فی نقد الرجال ج 3' ص 400' بذیل الکنی للنسوۃ)۔

8۔ امام اول و خلیفہ بلا فصل سیدنا ابوبکر تمیمی قرشی نے سیدنا جعفر بن ابی طالب کی شہادت کے بعد ان کی بیوہ اور سیدنا علی کی بھابھی سیدہ اسماء بنت عمیس سے شادی کی۔ اور وفات ابوبکر کے بعد ام المومنین سیدہ عائشہ کی ان سوتیلی والدہ کے ساتھ سیدنا علی نے نکاح کیا' اور محمد بن ابی بکر نے اپنی والدہ کے ہمراہ سیدنا علی کے گھر میں پرورش پائی۔

9۔ سیدنا علی کی شیعہ روایات کے مطابق کم و بیش اٹھارہ بیٹیاں تھیں۔

"لامیر المومنین فی اکثر الروایات ستۃ و ثلاثون ولدا" ثمانیۃ عشر ذکرا" و ثمانیۃ عشر انثی"۔

(جمال الدین عنبۃ' عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب' طبع

لکھنئو' ص ۹۹)۔

ترجمہ :۔ اکثر روایات کے مطابق امیرالمومنین(علی) کے چھتیس بچے تھے۔ اٹھارہ لڑکے اور اٹھارہ لڑکیاں۔

ان علوی و ہاشمی قرشی سید زادیوں کی شادیاں بنو امیہ سمیت مختلف قریشی خاندانوں نیز دیگر خاندانوں میں ہوئیں۔ (راجع للتفصیل سید محمود احمد عباسی' خلافت معاویہ و یزید' کراچی' جون 1962ء' صفین و کربلا کے بعد کی قرابتیں' ص 264۔267 الخ)۔

حضرت علی کی تین صاجزادیاں بنو امیہ کو بیاہی گئیں بایں تفصیل:۔

ا۔ حضرت علی کی صاجزادی رملہ' امیرالمومنین مروان کے فرزند معاویہ بن مروان کے عقد میں آئیں۔ جو امیرالمومنین عبدالملک کے حقیقی بھائی تھے۔ (جمھر ۃ الانساب ابن حزم' ص 80)۔

2۔ حضرت علی کی دوسری صاجزادی خود امیرالمومنین عبدالملک کے عقد میں تھیں (البدایہ والنھایہ' ج 9' ص 19)۔

3۔ حضرت علی کی تیسری صاجزادی خدیجہ' امیر عامر بن کریز اموی کے فرزند عبدالرحمان کو بیاہی گئیں۔ (ص 68' جمھر ۃ الانساب' ابن حزم)۔ یہ امیر عامر اموی بصرہ کے گورنر تھے۔

سیدنا حسن بن علی کی چھ پوتیاں اموی خاندان میں بیاہی گئیں:۔

ا۔ سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسن کی شادی امیرالمومنین الولید بن عبدالملک بن مروان سے ہوئی' جن کے بطن سے ان اموی خلیفہ کی اولاد بھی ہوئی جو حضرت حسن بن علی کے اموی و مروانی نواسے تھے۔ شیعہ مورخ و نساب مئولف "عمد ۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب" اس حسنیہ علویہ خاتون کے امیرالمومنین مروان کے پوتے کے نکاح میں آنے کو تو مخفی نہ رکھ سکے مگر اس رشتہ کا ذکر کرتے ہوئے عربی لفظ "تزوجت" (شادی ہوئی) کے بجائے کس عیغانہ طرز میں لکھا ہے:۔

خرجت الی الولید۔ یعنی نکل کر ولید کے پاس چلی گئی۔ اصل عبارت شیعہ مئولف کی یہ ہے:۔

"وکان لزید ابن حسن بن علی ابنہ اسمھا نفیسة' خرجت الی الولید بن عبدالملک بن مروان فولدت لہ منہ و ماتت بمصر۔ وقد قیل

انها خرجت الی عبدالملک بن مروان و انها ماتت حاملاً منه۔ والاصح الاول۔ وکان زید یفد علی الولید بن عبدالملک ویقعده ویکرمه لمکان ابنته۔ ووهب له ثلاثین الف دینار دفعة واحدة"۔

(عمدة الطالب' صفحه ۹۹' طبع اول' مطبع جعفری' لکھنو)۔

یعنی زید (بن حسن بن علی) کی ایک بیٹی نفیسہ نام تھی' جو الولید بن عبدالملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی۔ اس سے اولاد بھی ہوئی۔ مصر میں فوت ہوئی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ عبدالملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی تھی۔ اور اس سے حمل بھی رہ گیا تھا۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اور زید مذکور ولید بن عبدالملک کے پاس جایا کرتے تھے۔ وہ ان کو اپنے پاس تخت پر بٹھاتا اور ان کی بیٹی کی وجہ سے ان کا اکرام کرتا۔ اس نے ان کو بیک وقت تیس ہزار اشرفیاں عطاء کی تھیں۔

یہ زید بن حسن بن علی (رض) وہ ہیں جو اپنے چچا حضرت حسین کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔

2۔ حضرت حسن بن علی (رض) کی دوسری پوتی زینب بنت حسن مثنی کی شادی بھی اسی اموی و مروانی خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان (رض) سے ہوئی۔ (جمهرة الانساب ابن حزم صفحہ 6)۔

یہ زینب حضرت محمد (الباقر (رح) کی سالی اور عبداللہ المحض کی حقیقی بہن تھیں۔ واضح رہے کہ ان زینب کے والد حسن مثنی واقعہ کربلا میں اپنے چچا اور خسر حضرت حسین (رض) کے ساتھ موجود تھے۔ اور معرکہ قتال و جدال میں شریک ہو کر بہت زیادہ زخمی ہوئے تھے۔

3۔ حضرت حسن بن علی (رض) کی تیسری پوتی ام قاسم بنت حسن مثنی حضرت عثمان (رض) کے پوتے مروان بن ابان (رض) کو بیاہی گئیں جن کے بطن سے حضرت حسن کے عثمانی و اموی نواسہ محمد بن مروان عثمانی پیدا ہوئے۔ اپنے شوہر مروان کے انتقال کے بعد یہ ام قاسم حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) کے عقد میں آئیں۔ (جمهرة الانساب ابن حزم' صفحہ 37' و کتاب المحبر' صفحہ 438)۔

4۔ حضرت حسن بن علی (رض) کی چوتھی پوتی امیرالمومنین مروان کے ایک فرزند معاویہ بن مروان بن الحکم کے عقد میں آئیں' جن کے بطن سے حضرت حسن کے اموی و

مروانی نواسہ ولید بن معاویہ مذکور متولد ہوئے (صفحہ 80 و صفحہ 100' جمہرۃ الانساب ابن حزم)۔

5۔ حضرت حسن بن علی(رض) کی پانچویں پوتی حمادہ بنت حسن مثنیٰ امیرالمومنین مروان کے ایک بھتیجے کے فرزند اسماعیل بن عبدالمالک بن الحارث بن الحکم کو بیاہی گئیں۔ ان سے حضرت حسن(رض) کے تین اموی نواسے متولد ہوئے۔ یعنی محمد الاصغر' ولید اور یزید فرزندان اسماعیل مذکور (صفحہ 100' جمہرۃ الانساب ابن حزم)۔

6۔ حضرت حسن بن علی(رض) کی چھٹی پوتی خدیجہ بنت الحسین بن حسن بن علی(رض) کی شادی بھی اپنی چچیری بہن حمادہ کے نکاح سے پہلے اسماعیل بن عبدالملک مذکور سے ہوئی تھی' جن کے بطن سے حضرت حسن(رض) کے چار اموی نواسے محمد الاکبر و حسین و اسحاق و مسلمہ پیدا ہوئے۔ (ص 100' جمہرۃ الانساب ابن حزم)"۔

"حضرت حسین(رض) کی دوسری صاحبزادی سیدہ فاطمہ کا نکاح ثانی اپنے شوہر حسن مثنیٰ کے بعد اموی خاندان میں عبداللہ بن عمرو بن عثمان ذی النورین سے ہوا جن سے حضرت حسین کے دو اموی و عثمانی نواسے محمد الاصغر و قاسم اور ایک نواسی رقیہ پیدا ہوئے"۔

(جمہرۃ الانساب لابن حزم ص 76' ومقاتل الطالبین' لابی الفرج الاصفہانی' ص 180)۔

ان اشارات و تفصیلات سے نہ صرف عصر نبوی و صدیقی و فاروقی و عثمانی و علوی میں بنو ہاشم و بنو امیہ کے درمیان گہری محبت و مودت اور اخوت و قرابت کا پتہ چلتا ہے بلکہ جنگ جمل و صفین و واقعہ کربلا و حرہ کے بعد بھی بعض سیاسی و شخصی اختلافات کے علی الرغم ھاشمی النسب' علوی و حسنی و حسینی سید زادیوں کی شادیوں کا سلسلہ قریشی النسب اموی سید زادوں کے ساتھ جاری و ساری رہنے کا واضح اور دو ٹوک ثبوت فراہم ہوتا ہے' جس سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ واقعہ کربلا و حرہ کی ذمہ داری بنو ہاشم کی جانب سے یزید و بنو امیہ پر عائد نہیں کی گئی' بلکہ شیعان کوفہ و عراق و دشمنان بنو ہاشم و امیہ ہی اس کے بنیادی مجرم قرار پاتے ہیں۔ ورنہ صفین و کربلا و حرہ کے بعد ہاشمی و اموی سادات قریش باہم رشتہ داریوں کا سلسلہ قطعاً جاری نہ رکھ پاتے۔

ضمناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بیٹیوں (سیدہ زینب و رقیہ و ام کلثوم) کی اموی قریشی سادات میں شادیوں نیز نواسی رسول سیدہ ام کلثوم بنت علی و فاطمہ کی سیدنا عمر فاروق

عدوی قریشی سے شادی سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر ذات پات کی شادی بیاہ کے سلسلہ میں عقیدہ و تقویٰ کے بعد کفو کے ضمن میں کوئی جزوی اہمیت تسلیم کرلی جائے تب بھی بنو امیہ اور بنو عدی سمیت سادات قریش کے تمام خاندان شادی بیاہ کے سلسلہ میں باہم کفو (ایک دوسرے کے ہم مرتبہ و ہم پلہ) قرار پاتے ہیں۔ لہٰذا سادات بنو ہاشم کا اموی و فاروقی سادات سمیت جملہ سادات قریش کو لڑکیاں دینا سنت نبویہ و علویہ کے عین مطابق ہے۔ ان سادات قریش میں قریشی' صدیقی' فاروقی' عثمانی' اموی' ھاشمی' عباسی' علوی' حسنی اور حسینی کہلانے والے جملہ خاندان قریش شامل ہیں۔

علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا بنو زہرہ سے تعلق اور ازواج مطہرات کا بنو امیہ سمیت مختلف قریشی قبائل نیز غیر قریشی خاندانوں سے تعلق اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ذات پات کے بجائے ترجیح تقویٰ کے ساتھ اسلامی عقیدہ نکاح و ازدواج کی بنیادی شرط ہے۔ اور اپنی پھوپھی زاد سیدہ زینب قرشیہ کی اپنے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ سے بالاصرار شادی کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی بیاہ میں ذات پات کے شرط لازم نہ ہونے کا عملی ثبوت فراہم کردیا۔ اس حوالہ سے ممتاز عالم و مصنف مولانا نعیم صدیقی لکھتے ہیں:۔

"اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بن جحش کا نکاح خود آپ(ص) ہی نے باصرار زید بن حارثہ سے کیا تھا۔ اور مقصود یہ تھا کہ خاندانی امتیازات کی تنگ حدبندیاں ٹوٹ جائیں"۔

(نعیم صدیقی' محسن انسانیت' ص 547' لاہور' اسلامک پبلی کیشنز لیمٹڈ' جولائی 1972ء' اشاعت چہارم)۔

ضمناً یہ بھی واضح رہے کہ بعض اہل تشیع کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بڑی بیٹیوں کو آپ کی سوتیلی بیٹیاں قرار دینا ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ خود شیعہ کتب و مورخین کے ہاں متعدد ثبوت اس بات کے موجود ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیدہ زینب و رقیہ ام کلثوم سیدہ فاطمہ کی طرح ہی سگی بیٹیاں تھیں' اس سلسلے میں بعض تائیدی حوالے درج ذیل ہیں:۔

۱۔ تزوج خديجة و هو ابن بضع و عشرين سنة فولد له منها قبل مبعثه القاسم و رقية وزينب و ام كلثوم و ولد له بعد المبعث فاطمة عليها

السلام۔

و روی ایضا۔ انه لم یولد بعد المبعث الا فاطمة و ان الطیب والطاهر ولدا قبل مبعثه"۔(صافی شرح اصول کافی)۔

ترجمہ:۔ آپ(ص) نے خدیجہ سے شادی کی جب کہ آپ کی عمر بیس اور تیس برس کے درمیان تھی۔ پس ان کے بطن سے آپ(ص) کی اولاد میں سے بعثت سے پہلے قاسم و رقیہ و زینب وام کلثوم اور بعثت کے بعد فاطمہ علیہا السلام پیدا ہوئے۔

اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ بعثت کے بعد صرف فاطمہ پیدا ہوئیں' جبکہ طیب و طاہر (قاسم و عبداللہ) بعثت سے پہلے پیدا ہوئے۔

2۔ ملا باقر مجلسی جیسے انتہاء پسند شیعہ عالم بھی لکھتے ہیں:۔

"در حدیث معتبر از امام جعفر صادق منقول است.....

خدیجہ اورا خدا رحمت کند..... از من طاہر و مطہر بہم رسانید کہ او عبداللہ بود و قاسم را آورد و رقیہ و فاطمہ و زینب وام کلثوم ازو بہم رسید"۔

(باقر مجلسی' حیات القلوب' ج 2' باب 5' ص 82)۔

ترجمہ:۔ امام جعفر صادق سے مستند حدیث میں نقل کیا گیا ہے:۔

خدیجہ پر اللہ کی رحمت ہو..... انہوں نے میرے طاہر و مطہر بیٹوں قاسم و عبداللہ کو جنم دیا۔ نیز میری رقیہ و فاطمہ و زینب وام کلثوم بھی ان کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

3۔ سیدنا علی سیدنا عثمان کو نبی کی پھوپھی زاد بہن کا فرزند اور داماد رسول ہونا یاد دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"وانت اقرب الی رسول الله صلی الله علیه وسلم وشیجة رحم منهما وقد نلت من صهره مالم ینالا"۔(نہج البلاغۃ' مصر' ج 2' ص 85)۔

ترجمہ:۔ اور آپ ان کی نسبت خاندانی رشتہ کے لحاظ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں اور آپ کو نبی علیہ السلام کی دامادی کا شرف حاصل ہے جو ان دونوں (ابوبکر و عمر) کو حاصل نہیں۔

واضح رہے کہ سیدنا عثمان کی نانی البیضاء ام حکیم بنت عبدالمطلب' زوجہ کریز بن ربیعہ اموی تھیں۔ لہذا سیدنا عثمان نبی و علی کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے اور رشتہ میں آپ کے

بھانجے تھے۔

4۔ شیعہ مفکر ایران ڈاکٹر علی شریعتی جنہوں نے ایران کے لاکھوں جدید تعلیم یافتہ افراد کو متاثر کرکے ان میں مذہبی و ثقافتی انقلاب کی تحریک کو عظیم الشان فروغ دیا۔ اپنی تصنیف "فاطمہ فاطمہ است" میں سیدہ خدیجہ کے بطن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیوں اور دو بیٹوں یعنی قاسم (طاہر) اور (عبداللہ) (طیب) کی ولادت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ہمہ در انتظار اند تا ازیں خانہ پسرانی برومند بیرون آیند و بہ خاندان عبدالمطلب و خانوادہ محمد قدرت و اعتبار و استحکام بخشند۔

فرزند نخستین دختر بود! زینب۔

اما خانوادہ در انتظار پسر است۔

دومی دختر بود! رقیہ۔

انتظار شدت یافت و نیاز شدید تر۔

سومی: ام کلثوم۔

دو پسر قاسم و عبداللہ آمدند' مژدۂ بزرگی بود۔ اما نہ درخشیدہ افول کردند۔ و اکنوں دریں خانہ سہ فرزند است و ہر سہ دختر۔

مادر پیر شدہ است و سنش از شصت میگزرد۔ و پدر گرچہ دخترانش را عزیز می دارد اما باحساسات قومش و نیاز و انتظار خویشانش شریک است۔

آیا خدیجہ کہ باپایان عمر نزدیک شدہ است فرزندی خواھد آورد؟

امید سخت ضعیف شدہ است۔

آری شور و امید دریں خانہ جان گرفت و التھاب بہ آخرین نقطہ اوج رسید۔ ایں آخریں شانس خانوادہ عبدالمطلب و آخرین امید۔

اما........ بازھم دختر۔

نامش را فاطمہ گزاشتند"۔

(دکتر علی شریعتی' فاطمہ فاطمہ است' ص 98)۔

ترجمہ:۔ سب لوگ انتظار میں ہیں کہ اس گھرانے سے آبرومند فرزند نمودار ہوں

"اور خاندان عبدالمطلب اور خانوادہ محمد(ص) کو قوت و استحکام و معتبر مقام عطاء کریں۔

پہلا بچہ پیدا ہوا تو وہ لڑکی تھی۔ زینب

مگر خاندان کو تو بیٹے کا انتظار ہے۔

دوسری مرتبہ بھی بیٹی پیدا ہوئی۔ رقیہ

تیسری مرتبہ۔ ام کلثوم۔

دو بیٹے اسم و عبداللہ پیدا ہوئے جو بہت بڑی خوشخبری تھی، مگر پروان چڑھے بغیر وفات پا گئے اور اب اس گھرانہ میں تین بچے ہیں اور تینوں ہی بیٹیاں۔

ماں بوڑھی ہو چکی ہے۔ اور اس کی عمر ساٹھ سال سے آگے بڑھ رہی ہے، اور باپ اگرچہ اپنی بیٹیوں کو عزیز رکھتا ہے، مگر اپنے قبیلے کے احساسات انتظار اور توجہ میں ان کے ہمراہ شریک ہے۔

آیا خدیجہ جو کہ اپنی آخری عمر کے قریب پہنچ چکی ہیں، بیٹے کو جنم دے پائیں گی؟ امید بہت کم رہ گئی ہے۔

مگر ہاں۔ اس گھرانے میں پھر ہلچل اور امید کی کرن دکھائی دی ہے۔ اور جوش و خروش اپنے آخری نقطہ عروج تک جا پہنچا ہے۔

یہ خانوادہ عبدالمطلب کے لئے آخری چانس اور آخری امید ہے۔

مگر.... ایک بار پھر لڑکی پیدا ہوئی۔

انہوں نے اس کا نام فاطمہ رکھا۔

اس واضح بیان سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیوں کے ان کی سگی بیٹیاں ہونے کے بارے میں امت مسلمہ کے دینی و تاریخی طور پر ثابت شدہ قطعی موقف کو شیعہ علماء و مفکرین کی جانب سے تائید و تقویت حاصل ہوتی ہے۔ جس کے بعد اموی سادات قریش میں آپ کی صاحبزادیوں کی شادیوں کو سوتیلے پن کی ناقابل التفات دلیل سے رد نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی سادات قریش کی اموی و دیگر غیر ھاشمی شاخوں کو بنو ھاشم اور بنو فاطمہ کے کفو سے خارج کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ سب بھی بنو ھاشم و بنو امیہ کے مابین گہری محبت و مودت کی انتہائی اہم مثالیں ہیں۔

اول داماد رسول سیدنا ابو العاص بن الربیع شوہر سیدہ زینب بنت رسول کے بارے میں

بالعموم معلومات کم ہیں۔ لہٰذا ان کے بارے میں ضمناً چند ضروری معلومات درج ذیل ہیں۔
خطیب تبریزی لکھتے ہیں:۔

جلیل القدر محدث و مئولف "مشکاۃ المصابیح" خطیب تبریزی (م 743ھ) لکھتے ہیں:۔

"یہ ابوالعاص مقسم بن الربیع ہیں۔ (اور کہا گیا کہ ان کا نام لقیط ہے) اور یہ آنحضور (ص) کے داماد تھے۔ آپ کی صاحبزادی زینب ان کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے بعد یوم بدر کے قیدی ہونے کے جب کفر کی حالت میں تھے (اور آزاد کئے گئے تھے اسلام قبول کرکے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ یہ آنحضور سے بھائی چارہ اور سچی محبت رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر کی خلافت کے دور میں قتل کردیئے گئے۔ ان سے ابن عباس اور ابن عمر اور ابن العاص روایت کرتے ہیں۔ مقسم میم کے زیر قاف کے سکون اور سین کے زبر کے ساتھ ہے۔

(خطیب تبریزی، الاکمال فی اسماء الرجال حرف العین مع مشکاۃ المصابیح، اردو ترجمہ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص 369-370)۔

داماد رسول سیدنا ابوالعاص بن ربیع الاموی القرشی سیدہ خدیجہ ام المومنین کے بھانجے اور صاحب ثروت تھے۔ اور شعب ابی طالب میں حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی ہاشم کے لئے اپنے گندم اور کھجور سے لدے اونٹ باہر سے ہنکا کر پابندیوں کے باوجود ان کے خوردونوش کا سامان فراہم کرتے رہے، جس پر خوش ہوکر شیعہ روایت کے مطابق بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"ابوالعاص نے ہماری دامادی کا حق ادا کردیا"۔

(مرزا محمد تقی سپہر کاشانی، ناسخ التواریخ، ج 2، ص 518)۔

انہی ابوالعاص کے بیٹے سب سے بڑے نواسہ رسول (ص) سیدنا علی بن ابی العاص الاموی القرشی بحالت شباب فتح مکہ کے موقع پر ردیف رسول یعنی ان کے ہمراہ اونٹنی پر سوار تھے۔ (کتاب نسب قریش لمصعب الزبیری وابن حجر الاصابہ فی تمیز الصحابہ والاستیعاب لابن عبدالبر)۔

انہی ابوالعاص کی صاحبزادی سب سے بڑی نواسی رسول سیدہ امامہ نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سوار ہوجاتی تھیں۔

عن ابی قتادة الانصاری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یصلی وهو حامل امامة بنت زینب بنت رسول الله ولابی العاص ابن الربیع۔ فاذا سجد وضعها واذا قام حملها۔

(صحیح البخاری، جلد اول، ص ۷۴، باب اذا حمل جاریة صغیرة فی الصلاة)۔

ترجمہ :۔ ابو قتادہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ دختر ابو العاص بن ربیع کو اٹھائے ہوتے جب سجدہ فرماتے تو انہیں نیچے اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو وہ دوبارہ سوار ہو جاتیں۔

سیدہ امامہ کے بارے میں خطیب تبریزی لکھتے ہیں :۔

یہ امامہ ہیں ابو العاص بن ربیع کی بیٹی اور ان کی والدہ زینب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی بیٹی تھیں۔ بعد حضرت فاطمہ کی وفات کے حضرت علی نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ یہ حضرت فاطمہ کی بھانجی تھیں۔ حضرت علی کو انہوں نے اس کی وصیت کی تھی۔ امامہ کا نکاح حضرت علی سے زبیر بن العوام نے کیا، کیونکہ ان کے یعنی امامہ کے والد نے ان کو اس کی وصیت کی تھی۔ باب مالا یجوز من العمل فی الصلاہ میں ان کا ذکر آیا ہے۔

(خطیب تبریزی، اکمال فی اسماء الرجال، حرف الالف، مطبوعہ مشکاۃ المصابیح، لاہور، ص 294-293)۔

بنو ہاشم و امیہ نیز دیگر سادات قریش کے حوالے سے ان مختصر اشارات سے خاندان رسالت، اہل بیت رسول (ص) نیز جمل و صفین و کربلا و حرہ و یزید و بنوالیہ کے بارے میں دشمنان صحابہ و اہل بیت (رض) کے شر انگیز پراپیگنڈہ سے بچتے ہوئے شرعی و تاریخی حقائق پر مبنی علمی و تحقیقی صحیح اور مثبت نقطہ نظر کو اختیار و اجاگر کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ فمن شاء ذکرہ۔

اهل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

یا یہا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا' کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی۔ الحدیث۔

(رواہ الترمذی' مشکاۃ المصابیح' باب مناقب اہل بیت النبی)۔

لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے ہرگز گمراہ نہ ہو پاؤ گے' وہ ہے اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت۔

ازواج نبی (ص) امہات المئومنین (رض)

1۔ ام المئومنین سیدہ خدیجہ الکبری بنت خویلد' رضی اللہ عنہا
2۔ ام المئومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ' رضی اللہ عنہا
3۔ ام المئومنین سیدہ عائشہ الصدیقہ بنت ابی بکر الصدیق' رضی اللہ عنہا
4۔ ام المئومنین سیدہ حفصہ بنت عمر الفاروق' رضی اللہ عنہا
5۔ ام المئومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ' رضی اللہ عنہا
6۔ ام المئومنین سیدہ زینب بنت جحش' رضی اللہ عنہا
7۔ ام المئومنین سیدہ ام سلمہ بنت سہیل' رضی اللہ عنہا
8۔ ام المئومنین سیدہ جویریہ بنت الحارث' رضی اللہ عنہا
9۔ ام المئومنین سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان ہمشیرہ سیدنا معاویہ' رضی اللہ عنہا
10۔ ام المئومنین سیدہ صفیہ بنت حی بن اخطب' رضی اللہ عنہا
11۔ ام المئومنین سیدہ میمونہ بنت الحارث' رضی اللہ عنہا
12۔ ام المئومنین سیدہ ماریہ القبطیہ ام ابراہیم' رضی اللہ عنہا

اولاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم

13- سیدنا قاسم (طاہر) رضی اللہ عنہ
14- سیدنا عبداللہ (طیب) رضی اللہ عنہ
15- سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ
16- سیدہ زینب زوجہ سیدنا ابوالعاص بن ربیع الاموی القرشی، رضی اللہ عنہا
17- سیدہ رقیہ زوجہ سیدنا عثمان بن عفان الاموی القرشی، رضی اللہ عنہا
18- سیدہ ام کلثوم زوجہ سیدنا عثمان بن عفان الاموی القرشی، رضی اللہ عنہا
19- سیدہ فاطمہ زوجہ سیدنا علی ابن ابی طالب الھاشمی القرشی، رضی اللہ عنہا

نواسے اور نواسیاں

20- سیدنا علی بن ابی العاص و زینب، رضی اللہ عنہ
21- سیدنا عبداللہ بن عثمان و رقیہ، رضی اللہ عنہ
22- سیدنا حسن بن علی و فاطمہ، رضی اللہ عنہ
23- سیدنا حسین بن علی و فاطمہ، رضی اللہ عنہ
24- سیدہ امامہ بنت ابوالعاص و زینب زوجہ سیدنا علی بن ابی طالب، رضی اللہ عنہا
25- سیدہ ام کلثوم بنت علی و فاطمہ زوجہ سیدنا عمر فاروق، رضی اللہ عنہا
26- سیدہ زینب بنت علی و فاطمہ زوجہ سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار، رضی اللہ عنہا
27- سیدہ رقیہ بنت علی و فاطمہ۔ (بچپن میں وفات پائی) رضی اللہ عنہا۔

6۔ مراسم عزاء

اہل تشیع کے ہاں واقعہ کربلا کی یاد میں عاشورہ محرم اور اس سے منسلک ماہ محرم کے حوالہ سے بہت سی رسومات رائج ہیں جن کو جزو تشیع تسلیم نہ کرنے کے باوجود علامات و مظاہر تشیع کی لازمی شیعی و ثقافتی حیثیت حاصل ہو چکی ہے' بلکہ برصغیر پاک و ہند کے بعض شیعہ علماء (مثلاً علامہ ساجد نقوی قائد تحریک جعفریہ وغیرہ) عزاداری حسین کو دور حاضر میں "مستحب" سے بڑھ کر "واجب" قرار دے چکے ہیں۔ لہٰذا شیعی عقائد و افکار کے مطالعہ میں مراسم محرم و رسومات عزاداری کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

ان مراسم عزاداری کے سلسلہ میں بھی اہل تشیع باہم تضادات و شدید اختلافات کا شکار ہیں۔ امام محمد بن علی ابن الحنفیہ سے منسوب شیعہ فرقہ کیسانیہ امام زید بن علی بن حسین کا فرقہ زیدیہ اور کافی حد تک امام اسماعیل بن جعفر الصادق سے منسوب فرقہ اسماعیلیہ وغیرہ مختلف اہم شیعہ فرقے شیعہ اثناء عشریہ کی مجالس عزا اور رسومات محرم سے علیحدگی اور برات کی پالیسی اختیار کئے ہوئے ہیں اور خود شیعہ اثناء عشریہ کے عوامی حلقے جس شدومد سے ان رسومات پر عمل پیرا ہیں اس پر اہل سنت کے اعتراضات سے قطع نظر خود اثنا عشری علماء و مفکرین بھی ان کی شیعی عقائد کے حوالہ سے تائید کرنے کی جرات کم ہی کرپاتے ہیں۔

شیعہ اثنا عشریہ کے ہاں رائج ان مراسم محرم میں برصغیر پاک و ہند وغیرہ ہیں جو علامات و رسومات و مظاہر بالعموم مشاہدہ میں آتے ہیں ان میں ذوالجناح' تعزیہ' علم' سینہ زنی' زنجیر زنی' آگ پر ماتم' نوحہ خوانی' قاسم کی مھندی' علی اصغر کا جھولا' شبیہ تابوت (علی و حسین و سکینہ وغیرہ) عام طور پر نمایاں ہیں' بالخصوص تعزیہ ذوالجناح اور ماتم کے بغیر تو کسی شیعہ جلوس عاشورہ وغیرہ کا تصور بھی محال ہے' جبکہ ایران میں نہ صرف تعزیہ اور ذوالجناح کا بالعموم کوئی وجود نہیں' بلکہ علماء و مفکرین کا موثر و معتبر گروہ بھی ان مذکورہ علامات و مراسم عزاداری کی مذمت اور ان سے اظہار برات کرتا ہے' حالانکہ برصغیر پاک و ہند شیعہ اقلیتی کے دیگر مسلم ممالک میں بالعموم یہی رسومات محرم اور ان میں شامل علانیہ و غیر علانیہ تبرا بازی سنی اثنا عشری تصادم اور خونریز فسادات کا سب سے بڑا اور اہم ترین سبب ہے۔ ایران کے ماتمی جلوس تعزیہ و ذوالجناح کے بغیر سیاہ علم اٹھائے بالعموم ہاتھ سے علامتی ماتم کرتے' بار بار نعرہ

تکبیر بلند کرتے اور مرگ بر امریکا وغیرہ کے نعرے لگاتے نظر آتے ہیں، مگر نہ تو ان جلوسوں میں شرکت یا سینہ زنی کو کوئی واجب و لازم حیثیت حاصل ہے اور نہ ہی زنجیر زنی، آگ پر ماتم اور مختلف لکھنوی رسومات کو کوئی اہمیت حاصل ہے، حتیٰ کہ جدید مفکر انقلاب ایران ڈاکٹر علی شریعتی (م 1977ء، لندن) نے جن کے لاکھوں تعلیم یافتہ ایرانی پیروکار ہیں، ان تمام رسومات کو یورپی مسیحیت سے ماخوذ اور قابل مذمت قرار دیا ہے، اور ڈاکٹر علی شریعتی جیسے علماء و مفکرین سے متاثر تعلیم یافتہ طبقہ بالعموم ان رسومات میں شرکت سے اجتناب کرتا ہے، مگر دفاع تشیع اور مذمت باطل کے انقلابی دعوے کرنے والے علماء و مجتہدین جن کی زبانیں اور قلم قرآن و حدیث، امامت و صحابہ کرام کے بارے میں منفی عقائد و افکار کے اظہار و اعلان میں قطعاً شرم و حیا یا جھجک محسوس نہیں کرتے، اپنے مقلدین کو ان رسومات سے سختی سے منع کرنے کے بجائے عملاً ان کی تائید کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں اور برصغیر پاک و ہند نیز شیعہ اقلیت کی دیگر مسلم ممالک میں قتل و غارت اور فرقہ وارانہ فسادات کی حوصلہ افزائی کے براہ راست ذمہ دار ہیں، کیونکہ یہ تمام شیعہ اقلیتیں بالعموم ایرانی مجتہدین کی مقلد اور ان کے احکام کی شرعاً خود کو پابند بناتی ہیں۔ پس اگر ان علامات و مراسم عزاداری کو یکسر ختم کر دینے کا ایرانی علماء متفقہ فتویٰ دے دیں تو اثنا عشریہ کے کافرانہ عقائد کے باوجود نہ صرف سنی اثنا عشری خونریز تصادم کا سلسلہ بہت حد تک رک جائے گا، بلکہ اہل تشیع میں بھی شیعیت سے جذباتی و عزادارانہ وابستگی کی بجائے حقیقی فکری و اعتقادی وابستگی اور عقائد و افکار کے عقلی تجزیہ کا عمل فروغ پائے گا، جس سے دیگر شیعہ فرقوں (زیدیہ، اسماعیلیہ وغیرہ) کی طرح اثنا عشری اقلیتوں کے سنی اکثریت کے ممالک میں پرامن قیام و بقاء کی راہیں ہموار ہونے کا واضح امکان ہے۔ بہرحال ڈاکٹر علی شریعتی کے بقول یہ تمام رسومات یورپ کی مسیحی رسومات کی پیداوار ہیں اور 1502ء میں صفویوں کے ایران کو شیعہ اثنا عشری ریاست قرار دینے کے بعد انھیں اپنایا گیا ہے جبکہ اس سے پہلے تاریخ تشیع ان رسومات و علامات سے بالعموم مبرا و پاک تھی۔

یہاں یہ نقطہ بھی قابل غور ہے کہ اگر ابن زیاد نے یہودی و مجوسی و نصرانی اثرات کی حامل شیعیت کے اولین مرکز کوفہ کی ایک لاکھ سے زائد شیعہ اکثریت کو واقعہ کربلا سے پہلے اور بعد بزور شمشیر مغلوب و مقہور رکھا جو سیدنا علی و حسن سے غداری و بے وفائی کی

مرتکب ہو چکی تھی' تو واقعہ کربلا کی ذمہ داری کے حوالہ سے وہ شواہد کی رو سے خواہ کتنا ہی غلط کار و مبغوض قرار پائے' اس حوالہ سے قابل مذمت نہیں (جس طرح حجاج اپنے تمام تر مبینہ جرائم کے باوجود اعراب قرآن اور فتح سندھ کے حوالہ سے قابل تعریف ہے)۔ صفویوں نے سنی ایران میں پہلی بار اثنا عشری حکومت قائم کر کے قتل و غارت و ہجرت و جبر و اکراہ کے ذریعہ جس طرح اہل سنت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کی کوشش کی اور موجودہ انقلاب ایران جس طرح پورے عالم اسلام میں شیعہ افکار و تسلط کا علمبردار ہے' وہ چودہ صدیاں پہلے ہی عرب و عجم کو اپنی لپیٹ میں لے کر عقائد صحابہ و اولیاء و جمہور اہل سنت کو بزور شمشیر ملیامیٹ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتا اور علی و حسنین کے نام پر مراسم عزا کی طرح یہودیت و مجمیت و مسیحیت پر مبنی ایک ایسی کافرانہ ثقافت' اسلام و تشیع کے نام پر مسلط کر دی جاتی جس کا سیدنا علی و حسنین نیز اسلامی ثقافت سے دور کا بھی رشتہ نہ ہوتا' اور اس کا واضح ثبوت شیعیان کوفہ کا سیدنا حسین کو ہزاروں خطوط لکھ کر بیعت خلافت کے لئے بلوانا اور پھر دین و تشیع پر دنیاوی مفادات اور خوف ابن زیاد کو ترجیح دینا ہے' آزمائش کی اس گھڑی میں شیعیان کوفہ کی سیدنا علی و حسن کے بعد سیدنا حسین سے غداری و بے وفائی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ سیدنا حسین کی کامیابی کی صورت میں بھی اہل کوفہ سیدنا حسین کو اسی طرح بے بس کر دیتے جس طرح انہوں نے بہت سے معاملات میں سیدنا علی و حسن کو بے بس کر دیا تھا اور جس طرح سیدنا حسین کو دعوت دے کر کربلا میں بے بس کر کے بے یار و مددگار چھوڑ دیا' تاکہ اپنی جانیں' اموال اور دنیاوی مفادات کا تحفظ کر سکیں۔ اس تناظر میں امام خمینی کا یہ بیان ملاحظہ ہو:۔

امام خمینی "یک نظری۔عزاداری" کے زیر عنوان مجالس عزا کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"اینجا باید یک سخنی ہم در خصوص عزاداری و مجالس کہ بنام حسین بن علی بپای شود بگوئیم۔ ما و ہیچ یک از دین داران نمیگوئم کہ بااین اسم ھر کس ھر کاری میکند خوب است۔ چہ علماء بزرگ و دانشمندان بسیاری ازایں کارھا را ناروا دانستہ و بنوبت خود از آں جلوگیری کروند۔ چنانچہ ھمہ میدانیم کہ در بیست و چند سال پیش ازایں عالم عامل بزرگوار مرحوم حاج شیخ عبدالکریم کہ از بزرگ ترین روحانیین شیعہ بود در قم شبیہ خوانی را منع کرد۔ و یکی از مجالس بسیار بزرگ را مبدل بہ روضہ خوانی کرد' و روحانیین و دانشمندان دیگر ھم چیزھائی کہ برخلاف

دستور دین بوده منع کرده و میکنند۔ ولی مجالسی کہ بنام روضہ در بلاد شیعہ بپای شود باھمہ نواقص کہ دارد باز ھرچہ دستور دینی و اخلاقی است و ھرچہ انتشار فضائل و نجش مکارم اخلاق است۔ دراثر ھمیں مجالس است۔ دین خدا و قانونھای آسمانی کہ ھماں مذھب مقدس شیعہ اسعت کہ پیروان علی(ع) و مطیعان اولوالامرانذ درسایہ ایں مجالس مقدس کہ اسمش عزاداری ورسمش نشر دین و احکام خدا است تاکنون بپا بودہ وپس ازیں ھم بپا خواھد بود۔ وگرنہ جمعیت شیعہ در مقابل جمعیت ھای دیگر در اقلیت کامل واقع شدہ واگر ایں تاسیس کہ از تاسیسات بزرگ دینی است نبود تاکنون ازدین حقیقی کہ مذھب شیعہ است اثری بجانماندہ بود۔ و مذھب ھای باطل کہ شالودہ اش از سقیفہ بنی ساعدہ ریختہ شد و بنیانش برانھدام اساس دین بود جای گیرحق شدہ بود"۔

(امام خمینی 'کشف اسرار' ص 219-220' مطبوعہ ایران' 15 ربیع الثانی 1363ھ)۔

ترجمہ:۔ یہاں ضروری ہے کہ ہم حسین بن علی کے نام پر برپا ہونے والی مجالس و عزاداری کے بارے میں بھی کچھ بات کریں۔ ہم سمیت دینداروں میں سے کوئی ایک بھی یہ نہیں کہتا کہ اس نام سے ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے' وہ سب اچھا ہے کیونکہ بڑے بڑے علماء و دانشوران نے ان میں سے بہت سے اعمال کو غلط قرار دیا ہے بلکہ ان سے منع کیا ہے۔ چنانچہ ہم سب جانتے ہیں کہ بیس سال سے زائد عرصہ پہلے عالم عامل بزرگوار مرحوم حاجی شیخ عبدالکریم نے جوکہ شیعوں کے عظیم ترین روحانی پیشواؤں میں سے تھے' قم میں شبیہ خوانی (کربلا والوں کا روپ دھار کر مکالے نوحے پڑھنا) سے منع کردیا تھا۔ اور ایک بہت بڑی مجلس کو بدل کر روضہ خوانی (ذکر شہدائے کربلا) کی شکل دے دی تھی۔ نیز دیگر مذہبی رہنماؤں و دانشوروں نے بھی ان تمام چیزوں سے جو دستور دین کے خلاف تھیں منع کیا اور کررہے ہیں' مگر وہ مجالس جو روضہ (ذکر شہدائے کربلا) کے نام سے شیعہ علاقوں میں برپا ہوتی ہیں۔ تمام ترنقائص کے باوجود جو کچھ دستور دینی و اخلاقی اور اشاعت فضائل و تقسیم مکارم اخلاق ہے' انہی مجالس کا نتیجہ ہے۔ آسمانی قوانین اور دین خدا جوکہ علی(ع) کے پیرو اور اولوالامر کے اطاعت گزار اہل تشیع کا مذہب ہے' انہی مقدس مجالس کے زیر سایہ ہے جن کا نام عزاداری اور علامت و نوعیت اشاعت دین و احکام خدا ہے۔ اور جو اب تک برپا ہوتی رہی ہیں اور آئندہ بھی ہوتی رہیں گی۔ وگرنہ جمعیت شیعہ دیگر گروہوں کے مقابلے میں کامل

اقلیت میں تبدیل ہو جاتی۔ اور اگر یہ بنیادی ادارہ جو عظیم دینی تاسیسات میں سے ہے' نہ ہوتا تو اب تک اس دین حقیقی کا جو مذہب شیعہ ہے' نام و نشان بھی باقی نہ رہ پاتا اور باطل مذاہب و مسالک جن کی بنیاد سقیفہ بنی ساعدہ میں (بیعت امامت و خلافت ابوبکر کے ذریعے) رکھی گئی اور جس کی عمارت دین کی بنیادیں مسمار کر کے کھڑی کی گئی' حق (یعنی مذہب شیعہ) کی جگہ لے لیتے۔

امام خمینی اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ فضائل ائمہ و سادات کے لئے تو اس قدر مجالس برپا اور کتب تحریر شدہ ہیں مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسا نہیں' فرماتے ہیں کہ فضائل و معجزات و غزوات وغیرہ سمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام پہلوؤں پر شیعہ کتب موجود ہیں' مگر مصائب کی کتابیں زیادہ تر امام حسین کے بارے میں ہیں۔

"آری کتاب ہائی در مصیبت نوشتہ شدہ و آں بیشترش در مصیبت امام حسین است۔ خوبست ایں اشکال رابکسائی کہ در صدر اول بودند بکنید کہ چرا پیغمبر را مثل امام حسین نکشتند و آں ہمہ ظلم باو نکردند تاکتاب دربارہ او نوشتہ شود"۔

(امام خمینی' کشف اسرار' ص 155' طبع ایران 1363ء)۔

ترجمہ:۔ ہاں مصائب کے سلسلے میں تحریر شدہ اکثر کتابیں (پیغمبر کے بجائے) مصائب امام حسین کے بارے میں ہیں' بہتر ہو کہ یہ سوال ان (صحابہ) سے کریں جو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھے' کہ انہوں نے پیغمبر کو امام حسین کی طرح قتل کیوں نہ کیا' اور ان پر اس طرح کے وہ تمام ظلم کیوں نہ کئے تاکہ ان (ص) کے بارے میں بھی کتابیں لکھی جاتیں۔

یہاں اشارتاً صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ غالباً امام خمینی ان آلام و مصائب سے ناواقف ہیں یا کم از کم ان کی سنگینی کا احساس نہیں رکھتے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تیرہ سالہ مکی اور بعد ازاں مدنی زندگی میں شعب ابی طالب و طائف و بدر و احد و خندق و حنین نیز یہود کی جانب سے زہر خورانی' حرم رسول سیدہ عائشہ پر بہتان تراشی و فاتح سیدہ زینب و رقیہ ام کلثوم دختران پیغمبر و وفات صغر سنی پسران رسول سیدنا قاسم و عبداللہ و ابراہیم وغیرہ کی صورت میں جناب رسالت ماب پر آخر حیات تک وارد ہوتے رہے۔ اس طرح یک روزہ یا سہ روزہ مصائب حسین کے مقابلے میں وہ مصائب پیغمبر کی نفی و تحقیر کی جسارت فرما رہے

ہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مصائب رسول (ص) کو مصائب حسین سے کم تر قرار دینے کے ساتھ ساتھ امام خمینی کا یہ بیان مقام رسالت کے حوالہ سے ان کے مذہبی افکار کو مزید سنگین تر بنا دیتا ہے:۔

"ان لائمتنا مقاما۔لا یبلغہ ملک مقرب ولا نبی مرسل"۔

(الخمینی' الحکومۃ الاسلامیۃ' ص 52' طبع الحرکۃ الاسلامیۃ فی ایران)۔

ترجمہ:۔ ہمارے آئمہ کا وہ مقام ہے جس تک نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔

امام خمینی کے دست راست آیت اللہ مرتضیٰ مطہری شہید مراسم عزاداری کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

"عزاداری کا اصل فلسفہ یہ ہے کہ یزید' ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں سے اظہار بیزاری کیا جائے۔ اور امام حسین کی طرف داری اور حمایت کی جائے۔ حسنئے ایک وقت میں ایک مکتب کی صورت اختیار کی۔ وہ ایک ہی وقت میں اجتماعی اور معین شدہ سوسائٹی کے طور طریقوں کی مثال بن گئے اور دوسرے معین شدہ طور طریقوں کی نفی کرنے والے بن گئے۔ حقیقت میں ایک آنسو کا قطرہ بہانا ذاتی قربانی کے مترادف ہے۔

سخت ترین یزیدی شرائط اور پابندیوں کی موجودگی میں حزب حسینی میں شمولیت اختیار کرنا' شہداء پر برملا آنسو بہانا' سچوں کی حمایت کا بہ بانگ دہل اعلان کرنا اور اہل باطل کے خلاف اہل حق کے ساتھ مل کر جنگ کرنا۔ حقیقت میں ذاتی قربانی کی قسمیں ہیں۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ حسین بن علی کی عزاداری حقیقت میں ایک حرکت ہے' ایک موج ہے اور ایک اجتماعی جنگ ہے۔

لیکن زمانے کے ساتھ ساتھ یہ فلسفہ اور یہ روح معدوم ہوتی گئی اور برتن خالی ہونا شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ برتن کا تمام مواد ختم ہو گیا۔ اور یہ صرف ایک "عادت" بن گئی کہ کچھ لوگ جمع ہو کر عزاداری کے مراسم میں مشغول رہتے ہیں' ان کے بحث و مباحثے کی ایک اجتماعی سمت کا تعین نہیں کرتے۔ جتماعی نقطہ نظر سے اس کو کوئی بامعنی یا نتیجہ خیز عمل قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ یہ فقط ایک مذہبی فریضہ سمجھا جاتا ہے' اور مذہبی رسم کی حیثیت اختیار

کر گئی ہے' اور اس کا عہد حاضر کے حسینیوں اور عہد حاضر کے یزیدیوں اور عبدالیوں سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حرکت بنیاد یا عادت میں تبدیل ہو گئی ہے۔ اور یہ ہے برتن کا خالی ہو جانا۔ یہ اتنی رسمی صورت اختیار کر گئی ہے کہ اگر یزید بن معاویہ قبر سے نکل آئے تو وہ نہ صرف خوشی سے اس رسم میں شریک ہو گا بلکہ ان رسوم کی ادائیگی کے لئے ایک بڑے گروہ کی تشکیل بھی کرے گا۔ ان اجتماعوں میں لگاتار آنسو بہانے کا کیا فائدہ؟ یہ بات صحیح ہے اور میں نے کئی اجتماعات میں اس کے متعلق بیان کیا ہے' لیکن ہمارے دوست سے سوال یہ ہے کہ آیا ہمارا پرانا کلچر جو کہ روایتی رہبری کی حفاظت میں ہے کیا چیز ہے۔ یا سید جمال' مدرس' آیت اللہ خمینی اور طالقانی ان رسوم اور وضع داریوں کے محافظ ہیں؟

(مرتضیٰ مطہری' نہضت ہائے اسلامی در صد سالہ اخیر' اردو ترجمہ بعنوان بیسویں صدی کی اسلامی تحریکیں از ڈاکٹر ناصر حسین نقوی' ص 56-57)۔

ڈاکٹر علی شریعتی ایرانی رسومات عزاداری کو صفوی دور (آغاز1502ء) میں یورپی مسیحیت سے نقل کردہ قرار دیتے ہیں:-

"وزیر امور روضہ خوانی و تعزیہ داری رفت بہ اروپائی شرقی (کہ در آن ھنگام صفویہ روابط بسیار نزدیک و مرموز ویژہ ای با آنھا داشتند) ودربارہ مراسم دینی و تشریفات مذھبی آنجا تحقیق کرد' مطالعہ کرد و بسیاری از آں سنت ھا و مراسم جمعی' مذھبی و تظاھرات اجتماعی مسیحیت' و برگزاری و نقل مصیبت ہای مسیح و حواریوں و شہدای تاریخ مسیحیت و نیز علائم و شعائر و ابزارھا و وسایل خاص ایں مراسم و دکورھای ویژہ محافل دینی و کلیسا را اقتباس کرد و ھمہ را با ایران آورد و در اینجا' بکمک روحانیون وابستہ بہ رژیم صفوی' آں فرم ھا و رسوم را با تشیع و تاریخ تشیع و مصالح ملی و مذہبی ایران تطبیق دادند' و بہ آں قالب ھای مسیحی اروپائی محتوای شیعی ایرانی بخشیدند' بطوریکہ ناگھاں در ایران سمبلھا و مراسم و مظاھر کاملا" تازہ ای کہ ہرگز نہ در ملیت ایران سابقہ داشت و نہ در دین اسلام و نہ در مذھب شیعی۔ بوجود آمد۔ مراسمی از نوع تعزیہ گردانی' شبیہ سازی' نعش و علم و کتل و عماری و پردہ داری و تمایل کشتی و معرکہ گیری و قفل بندی و زنجیر زنی و تیغ زنی و موزیک و سنج زنی و تعزیہ خوانی و فرم خاص و جدید و تشریفاتی "مصیبت خوانی" و "نوحہ سرائی جمعی"..... کہ ھمہ شکلش اقتباس از مسیحیت است و ھرکس با آن آشنا است' بسادگی تشخیص می دھد کہ تقلید است"۔

(دکتر علی شریعتی، تشیع صفوی، ص 170، فرنگی در کربلا، چاپ دوم، دفتر تدوین و تنظیم مجموعہ آثار معلم شہید دکتر علی شریعتی)۔

ترجمہ:۔ امور مرثیہ خوانی و تعزیہ داری کا وزیر مشرق یورپ گیا' (اس دور میں صفوی حکومت کے' یورپ سے بڑے مخصوص' قریبی اور پراسرار روابط تھے)۔ وہاں اس نے عیسائیوں کی دینی رسوم اور مذہبی معمولات کے بارے میں تحقیق کی اور ان کا مطالعہ کیا۔ اس نے عیسائیوں کی بہت سی مذہبی تقریبات' کلیسا کے دینی معمولات اور مسیحی معاشرے کی اکثر رسوم سے استفادہ کیا۔ مثلاً حضرت مسیحؑ' ان کے حواریوں اور عیسائی تاریخ کے شہداء کی مظلومیت کا اظہار کرنے کے لئے منعقد کی جانے والی محفلیں اور ان میں استعمال ہونے والے مخصوص نشانات' علامات' نعرے اور آلات و ساز و سامان وغیرہ۔

یہ تمام رسوم وہ ایران لے آیا' جنہیں صفوی حکومت کے پٹھو ملاؤں کی مدد سے ایران میں نافذ کر دیا گیا۔ ان تمام رسوم کی تشیع' تاریخ تشیع اور ایران کے قومی و مذہبی مصالح سے تطبیق کر دی گئی تھی اور ان یورپی' عیسائی معمولات کو شیعی' ایرانی رنگ دے دیا گیا تھا۔ یوں ایران میں اچانک ہی کچھ ایسی بالکل نئی علامات' رسوم اور مظاہر کا رواج ہو گیا' جن کا تصور بھی ایرانی قومیت' دین اسلام یا شیعی مذہب میں نہیں تھا۔

تعزیہ پھرانا' نعش' علم' گھوڑے اور پالکی کی شبیہیں نکالنا' زنجیر زنی' تیغ زنی' موسیقی' مرثیہ خوانی اور اس کی مخصوص نئی رسمی شکلیں مثلاً مصائب خوانی اور اجتماعی نوحہ سرائی وغیرہ مکمل طور پر عیسائیت سے لی گئی ہیں' جو بھی ان عیسائی رسوم سے آگاہ ہے' اسے بڑی آسانی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ تقلید محض ہے۔

ڈاکٹر علی شریعتی مزید لکھتے ہیں:۔

"قفل زنی و سینہ زنی و تیغ زنی حتیٰ ھم اکنون' بہ ہمیں شکل در لورد Lourdes سالیانہ در سالروز شہادت مسیح برگزاری شود و ایں است کہ باآنکہ از نظر اسلامی ایں اعمال محکوم است و علمای حقیقی اسلامی نہ تنہا آنرا تائید نکردہ اند کہ جدا" مخالفند و ایں نمایش ہا را برخلاف موازین علمی شرع می دانند ولی ارہ وھمہ سالہ در ایں دوسہ قرن انجام میشدہ و ایں در عین حال کہ شگفت انگیز است روشن کنندہ ایں نظر من است کہ ایں مراسم ابتکار سیاست بود است نہ روحانیت واقعی۔ و نشان می دھد کہ ایں تظاھرات پرشور و سازمان یافتہ و بسیار نیرومند' باآنکہ

صد در صد مذهبی و شیعی است و بنام امام و خاندان پیغمبر و ولایت علی و عشق مذهبی انجام می شود مورد علمای شیعی نیست، و حتیٰ علما غالباً" در برابر آں ناچار تقیه می کرده اند و از مخالفت علنی وجدی خودداری می نموده اند۔ واین روشن می کند که مصالح سیاسی و قدرت حکومت بوده است که این مراسم و اعمال و شعائر را بر علماء تحصیل کرده است۔ وگر دانندگان آں نیز خود به این امر بیش و کم واقفند که عالم وفقیه واقعی شیعی آنها را تایید نمی کند ولی بنام اینکه: این کار عشق است کار شرع نیست، خود را از قید فتوای عالم رهای کرده اند۔ چنانکه در پاسخ عالمی که به یکی از همیں سر حلقه ها گفته بود این اعمال باموازین شرع نمی خواند گفته بود: آقا یازده ماه از سال را ما به حرف شما گوش می دهیم و این یک ماه را شما به حرف ما گوش بکنید، این کار مستحب و مکروه و حلال و حرام نیست، جنون محبت علی و عشق حسین است، عاشورا ما را دیوانه می کند، خونماں را جوش می آورد و از ماں می خواهد خودمان را آتش بزنیم۔ دستگاه امام حسین از دستگاه خدا سوا است۔ اگر خدا ما را به گناه عشق حسین به جهنم هم ببرد باشوق و شکر خودمان را در آتش می اندازیم، بگذار ما را بسوزد....."

این گونه استدلال و احساسات، پیدا است که با منطق عقلی و عقلای اسلام و تشیع علمی ارتباطی ندارد، کاملا" پیدا است که زبان تصوف است و احساسات غلاۃ و پرورده کار درویشان و شاعران و روضه خوانان و خطباء و مبلغان عوام که هم مستقیم و غیر مستقیم از نعمت صفوی آب می خورند۔ وکارگزاران و بلندگوها و رادیوهای رسمی زمان بوده اند، و به دربار صفوی بیشتر بسته بودند تا حوزه های علمی۔

من فکر می کنم اینکه امروز یک مجتهد، فقیه و عالم بزرگ شیعی، منبر رفتن و تبلیغ کردن و در محافل و تکایا و مساجد حرف زدن را برای مقام خود کسری داند و سبک تلقی می کند یادگار همه دوره است که منبرها، تریبونهای تبلیغاتی دستگاه حکومت شده بود و منبرهای گفتگوهای سیاست نه علم و روحانیت۔ این مراسم غالباً" بروشنی با سنت ها و حتی احکام شرعی منافات دارد۔ حرمتی که مسلمان و شیعه برای ائمه و خاندان پیغمبر و بخصوص حرم پیغمبر و امام قائل است پیدا است۔ و در عین حال در شبیه ها، یک نره مرد نتراشیده سکینه می شود یا زینب و در صحنه ظاهر می شود، یا موسیقی که علماء آں همه باکراهت و حرمت تلقی می کنند، در شبیه و تعزیه حفظ شده است۔ و پیدا است که از مسیحیت آمده است۔ شبیه و تعزیه و نعش تقلید کورکورانه از مراسم

"میستر هاى هفتگانه" (7 Mysteres) و "میراکل" Miracles و نمایش نعش عیسی بر صلیب و فرو آوردن و دفن و صعود و دیگر قضایا است۔

نوحه هاى دسته جمعی درست یاد آور "کر" هاى کلیسا است و پرده هاى سیاه که به شکل خاصی بر سر تکیه ها و پایه ها و کتیبه ها آویخته می شود و غالباً اشعار جودی و محتشم وغیره بر آں نقش شده بی کم و کاست از پرده هاى کلیسا در مراسم تقلید شده۔ و شمایل گردانی و نقش صورت آئمه و دشمنان و حوادث کربلا وغیره که در میان مردم نمایش داده می شود' پرتره سازی هاى مسیحی است۔ حتی اسلوب نقاشی هاهماں است' درحالیکه صورت سازی در مذهب ما مکروه است' حتی نوری که بصورت یک هاله گرد سر ائمه و اهل بیت دیده می شود' درست تقلیدی است و شاید باخره ایزدی و فروغ یزدانی در ایران باستان توجیه شده است۔

این مراسم و تشریفات رسمی مخصوص عزاداری اجتماعی و رسمی' همه فرم هاى تقلیدی از عزاداری و مصیبت خوانی و شبیه سازی مسیحیت اروپائی است"۔

(دکتر علی شریعتی: تشیع علوی و تشیع صفوی' ص 171-173)۔

ترجمہ :۔ قفل زنی' سینہ زنی' تیغ زنی اور زنجیر زنی آج بھی بالکل اسی طرح ہر سال حضرت مسیح کے یوم شہادت پر لورڈ (Lourdes) کی شکل میں موجود ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے ایسے اعمال ناپسندیدہ ہیں اور حقیقی مسلمان علماء نے نہ صرف یہ کہ ان کی تائید نہیں کی' بلکہ سنجیدگی سے مخالفت کی ہے۔ اور ایسے افعال شریعت کے علمی معیارات و اقدار کے سراسر خلاف ہیں لیکن گزشتہ دو تین صدیوں سے ہمیشہ اور ہر سال رائج رہے ہیں۔ یہ امر باعث حیرت ہونے کے ساتھ ساتھ' میری اس رائے کی بھی تائید کرتا ہے کہ یہ رسمیں سیاسی ہیں نہ کہ مذہبی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پرشور' مرتب و منظم اور بہت باثر مظاہرے اگرچہ سو فی صد مذہبی اور شیعی ہیں' جو امام' خاندان رسالت' ولایت علی اور مذہبی عشق و عقیدت کے نام پر انجام پاتے ہیں' لیکن اس کے باوجود انہیں شیعہ علماء کی تائید حاصل نہیں ہے' بلکہ اکثر و بیشتر علماء اس سلسلے میں مجبوراً "تقیہ" کرتے رہے ہیں اور ان رسوم کی کھلم کھلا اور سنجیدہ مخالفت سے دامن بچاتے رہے ہیں۔

اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حکومت کی قوت اور اس کی سیاسی مصلحتوں نے یہ مراسم و شعائر علماء پر مسلط کیے ہیں اور ان اعمال کے کرتا دھرتا بھی کم و بیش اس حقیقت سے

واقف ہیں کہ کوئی سچا شیعہ عالم و فقیہ ان افعال کی تائید نہیں کرتا' لیکن ان لوگوں نے یہ کہہ کر کہ: "یہ فعل' عشق کا معاملہ ہے' اس میں شریعت کا کیا عمل دخل؟" خود کو علماء کے فتوے سے آزاد کرالیا ہے۔

ایک عالم دین نے ایسی ہی ایک محفل کے منتظم سے کہا تھا کہ ان افعال کا اقدار شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس نے جواب میں کہا تھا: "آقا! ہم گیارہ ماہ آپ کی باتیں سنتے ہیں' یہ ایک مہینہ آپ ہماری باتیں سنا کیجئے۔ یہ کام مستحب' مکروہ' حلال یا حرام نہیں ہے۔ یہ تو علی اور حسین کی محبت ہے' عاشورہ ہمیں دیوانہ بنادیتا ہے۔ ہمارا لہو کھول اٹھتا ہے۔ جی چاہتا ہے اپنے آپ کو آگ لگادیں۔ امام حسین کے معاملات' خدا کے معاملات سے جدا ہیں۔ اگر خدا ہمیں عشق حسین کے جرم میں جہنم میں بھی ڈال دے تو ہم شوق و ذوق اور شکر کے عالم میں خود آگ میں کود جائیں گے"۔

ظاہر ہے اس طرح کے جذبات اور استدلال کا' اسلام اور تشیع کی عقلی و علمی منطق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ صوفیانہ زبان ہے اور غالیوں کے جذبات ہیں' یہ ان عامیانہ درویشوں' شاعروں' تعزیہ خوانوں' خطیبوں اور مبلغوں کی پیداوار ہیں جو بالواسطہ یا بلا واسطہ' صفوی تحریک سے متاثر ہیں۔ یہ اس دور کے سرکاری کارندے' لاؤڈ سپیکر اور ریڈیو تھے جن کا مرکز صفوی دربار تھا' نہ کہ دینی مدارس۔

میرا خیال ہے یہ جو آج کل شیعوں کے بڑے مجتہدین' فقہاء اور علماء منبر پر جانے' تبلیغ کرنے اور محفلوں' تکیوں اور مسجدوں میں وعظ کو اپنے لئے کسر شان سمجھتے ہیں' یہ بھی اسی دور کی یادگار ہے' جب منبر' حکومت کے پروپیگنڈا بن گئے تھے' اور واعظین سیاسی مبلغین ہوتے تھے نہ کہ علم و مذہب کے ترجمان۔

ایسی رسمیں اکثر و بیشتر روایات اور احکام شرعی کے کھلم کھلا منافی ہیں۔ مسلمان اور شیعہ' ائمہ و خاندان پیغمبر اور خاص طور پر حرم پیغمبر و امام کے بارے میں عزت و احترام کے جذبات رکھتے ہیں' لیکن اس کے ساتھ ہی تعزیتی ڈراموں میں کوئی ہٹا کٹا اجڈ گنوار سکینہ یا زینب بن کر سٹیج پر آجاتا ہے۔ موسیقی کے ضمن میں علماء کراہت و حرمت کی رائے رکھتے ہیں' مگر یہ ان ڈراموں اور تعزیوں میں شامل ہے اور ظاہر ہے کہ عیسائیت سے آئی ہے۔
تعزیتی ڈرامے' عزا خوانی اور نعش کی شبیہ وغیرہ' عیسائیت کے سات میسٹریز "7 Mysteres"

اور میراکلز "Miracles" کی بھونڈی نقالی ہے' جس میں حضرت عیسیٰ کی نعش صلیب پر دکھائی جاتی ہے' پھر اسے اتارا اور دفن کیا جاتا ہے اور پھر وہ عالم بالا کو منتقل ہو جاتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اجتماعی نوحے بھی سوفی صد کلیسا کے "کر" کی نقالی ہے۔ وہ سیاہ پردے جو مخصوص انداز میں تکیوں اور عمارات پر لٹکائے جاتے ہیں اور ان پر جودی اور محتشم کاشانی وغیرہ کے مرثیوں کے اشعار لکھے ہوئے ہوتے ہیں' یہ بھی سراسر کلیسا کے تعزیتی پردوں کی تقلید ہے۔ شبیہ پھرانا اور ائمہ' ان کے دشمنوں اور حوادث کربلا کی تصویریں بناکر عوام میں ان کی نمائش کرنا' یہ سب بھی مسیحی دین کی رسوم کی نقل ہے' جبکہ تصویر سازی ہمارے مذہب میں مکروہ ہے۔ یہاں تک کہ ائمہ اور اہل بیت کی تصویروں میں ان کے سروں کے گرد جو ہالہ نور ہوتا ہے وہ بھی نقالی ہے۔ یہ ایران قدیم کے زرتشتی دین کے ہالہ نور کی یاد دلاتا ہے۔ عزاداری کی یہ تمام مخصوص رسوم' یورپی عیسائیت کی تقلید محض ہے۔

عراقی شیعہ عالم ڈاکٹر موسیٰ موسوی اس حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

"1352 ہجری میں جب شام کے سب سے بڑے شیعی عالم سید محسن امین عاملی نے ان جیسے اعمال کے حرام ہونے کا اعلان کیا اور اپنی رائے کے اظہار میں عدیم النظر جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیعہ سے مطالبہ کیا کہ وہ یہ طوفان برپا کرنے سے باز آجائیں تو انہیں علماء کی صفوں میں سے ہی بعض مذہب کے ٹھیکیداروں کی طرف سے بڑی زوردار مخالفت کا سامنا کرنا پڑا' اور مذہب کے ان اجارہ داروں کے پیچھے حضرت علی (رض) کے الفاظ میں "کمینے' بے لگام اور بے وقوف" لوگوں کی طاقت تھی۔ اور قریب تھا کہ سید امین کے یہ اصلاحی اقدامات ناکامی سے دوچار ہوتے' اگر ہمارے دادا مرحوم سید ابوالحسن شیعہ کے زعیم اعلیٰ کی حیثیت سے ان کے موقف کی تائید کرکے ان کی پشت پناہی نہ کرتے۔ جد امجد نے ان اعمال کے خلاف سید امین کی رائے کے حق میں غیر مشروط تائیدی اعلان کیا اور اس کی حمایت میں فتویٰ جاری فرمایا۔

سید امین کی اصلاحی تحریک کے حق میں ہمارے دادا مرحوم کے تائیدی موقف کے بڑے دوررس اثرات ظاہر ہوئے۔ اگرچہ سید ابوالحسن کے خلاف بھی کئی مجتہدین اور فقہاء نے آواز اٹھائی' جیسا کہ اس سے قبل سید امین کا ان سے پالا پڑا تھا' مگر سید ابوالحسن نے

بالآخر اپنے ارفع و اعلیٰ مقام و مرتبہ کی وجہ سے سب کو زیر کرلیا۔ اور جمہور شیعہ نے اس بزرگ ترین رہنما کا فتویٰ تسلیم کرتے ہوئے اس کی اطاعت شروع کردی۔ اور آہستہ آہستہ ان اعمال شنیعہ میں کمی واقع ہونے لگی۔ اور یہ شیعیت کی سکرین سے غائب ہونے لگے۔ لیکن اس کے آثار بالکل مٹنے نہ پائے تھے' بلکہ کچھ کمزور سے مظاہر ابھی باقی تھے کہ جد امجد رحمہ اللہ 1365ھ میں وفات پاگئے تو شیعیت کی نوخیز لیڈر شپ نے نئے سرے سے لوگوں کو ان اعمال کے لئے اکسانا شروع کردیا اور ان کے اثرات پھر سے شیعی دنیا میں رونما ہونے لگے' لیکن وہ صورت حال دوبارہ نہیں آئی جو 1352ھ سے پہلے تھی"۔

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی' الشیعہ والتصحیح' اردو ترجمہ بعنوان اصلاح شیعہ' از ابو مسعود آل امام' مطبوعہ پاکستان' فروری 1990ء' ص 179-180)۔

ڈاکٹر موسیٰ موسوی جیسے دانشور' سید محسن امین عاملی اور سید ابوالحسن اصفہانی جیسے جلیل القدر شیعہ علماء کے فتاوی و افکار کی تائید اور صفویوں کی رائج کردہ رسومات محرم کی مذمت کرنے کے بعد علماء و مفکرین کی ترجمانی کرتے ہوئے اصلاح احوال کے لئے فرماتے ہیں:-

"امامیہ شیعہ کے تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ جاہل عوام کو ہر ممکن کوشش کرکے اس قسم کے کاموں سے روکیں جنہوں نے حضرت امام حسین (رض) کی انقلابی تحریک کا چہرہ مسخ کرکے اس کی شکل بگاڑ دی ہے۔ اور مبلغ اور واعظ حضرات پر تو اس سے بھاری ذمہ داری ہے کہ وہ اس بارے میں واضح ترین کردار ادا کریں۔ یہاں میں پوری صراحت و وضاحت سے اس حقیقت کا اظہار کردینا چاہتا ہوں کہ عاشورہ محرم کو شہادت حسین کا مقصد و سبب' اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ تھا جس کی تصویر آج شیعہ پیش کرتے ہیں۔ آپ نے ہرگز جام شہادت اس لئے نوش نہیں کیا تھا کہ لوگ ان کے غم میں روئیں' چہرے پیٹیں اور درماندہ مسکین کی سی صورت اختیار کریں' بلکہ امام ممدوح تو ظلم و استبداد کے مقابلے میں شجاعت و بہادری' عزم بالجزم اور جان تک قربان کردینے کا موثر ترین درس دینا چاہتے تھے۔

چنانچہ (اگر ضروری بھی ہو تو) شہادت حسین کی یاد میں منعقد محفل امام کے مقام و مرتبہ کے شایان شان اور طوفان بدتمیزی' جہالت' بیک وقت مضحکہ خیز اور رلا دینے والے اعمال

سے ہٹ کر ہونی چاہئے۔ وہ ثقافتی اجتماعات کس قدر خوبصورت ہوں جن میں بلیغ خطبے اور قصائد پیش کئے جائیں جو راہ حق میں جان دینے اور جہاد کرنے سے متعلق ہوں۔

اس طریقے سے تعمیری انداز میں حسین (رض) کی یاد میں اپنی تربیت کرنی چاہئے۔ تخریبی انداز اختیار کرکے اپنے کو ہلاک نہیں کرنا چاہئے۔ اور ہم پر یہ فرض ہے کہ حمایت و مدافعت کے میدان میں حسین کا حق ادا کریں' نہ کہ مسئلے کا حلیہ بگاڑ کر موصوف کے ساتھ اہانت و بدسلوکی کے مرتکب ہوں۔ اگر ہم امام حسین (رض) کے ساتھ محبت و نصرت کا جذبہ صادق رکھتے ہیں تو ہمیں مذکورہ طریقہ کار اختیار کرنا ہوگا"۔

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی' اصلاح شیعہ' ص 181)۔

ماتم و زنجیرزنی کے حوالہ سے جانشین خمینی سید علی خامنائی کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ ہو:۔

"لندن (ریڈیو رپورٹ) ایران کے روحانی پیشوا آیت اللہ خامنہ ای نے سوگواران حسین کو تلقین کی ہے کہ رسم عزاداری میں محض جوش و جنون کی بجائے ایمان اور ایثار کا مظاہرہ کیا جائے۔ بی بی سی کے مطابق انھوں نے کہا کہ زنجیرزنی اور ماتم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ مسلمان باطل اعتقاد پر مبنی رسومات کے اسیر ہیں۔ لوھر ایرانی حکام نے عوام سے اپیل کی ہے کہ انہیں محرم کے موقع پر خون کے عطیات دے کر زیادہ معقول انداز میں جذبہ ایثار کا اظہار کرنا چاہئے۔ ریڈیو تہران نے ان مقامات کا اعلان کیا ہے جہاں نویں اور دسویں محرم کو انتقال خون کے یونٹ کام کررہے ہوں گے"۔

(بحوالہ روزنامہ جنگ لاہور' مورخہ 8 جون 1995ء / 9 محرم 1416' ص 8' کالم 4 و بقیہ بر ص 5' کالم 8)۔

امام خمینی' سید مرتضیٰ مطہری' ڈاکٹر علی شریعتی' سید علی خامنہ ای اور ڈاکٹر موسیٰ موسوی جیسے اکابر اہل تشیع کے ان فرمودات سے اہل تشیع کی مجالس و مراسم عزاداری کی حقیقت اور شیعی مذہب و ثقافت پر یہودیت و مسیحیت و مجوسیت کے گہرے اثرات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ نیز علماء و مجتہدین ان رسومات کی بھرپور مذمت بھی کرتے ہیں اور ان میں شریک ہوکر ان کی حوصلہ افزائی کا باعث بھی بنتے ہیں۔ وان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار۔

فہرست المراجع (عربی)

1۔ اللہ جل جلالہ ---- القرآن الکریم۔

2۔ ابن ابی الحدید ---- شرح نہج البلاغہ۔

3۔ ابن الاثیر الجزری ---- الکامل فی التاریخ۔

4۔ ابن تیمیہ ---- راس الحسین۔

5۔ ابن تیمیہ ---- فتاوی ابن تیمیہ۔

6۔ ابن تیمیہ ---- منہاج السنہ۔

7۔ ابن تیمیہ ---- الوصیہ الکبریٰ۔

8۔ ابن جریر الطبری ---- تاریخ الامم والملوک (تاریخ الطبری)۔

9۔ ابن حجر العسقلانی ---- الاصابہ فی تمییز الصحابہ۔

10۔ ابن حجر العسقلانی ---- تہذیب التہذیب۔

11۔ ابن حجر العسقلانی ---- فتح الباری شرح البخاری۔

12۔ ابن حجر العسقلانی ---- لسان المیزان۔

13۔ ابن حزم ---- جمہرۃ الانساب۔

14۔ ابن خلکان ---- وفیات الاعیان، طبع مصر۔

15۔ ابن سعد ---- الطبقات الکبری۔

16۔ ابن عبدالبر ---- الاستیعاب۔

17۔ ابن عبد ربہ ---- العقد الفرید۔

18۔ ابن العربی، قاضی ابوبکر ---- العواصم من القواصم۔

19۔ ابن کثیر الدمشقی ---- البدایہ والنہایہ۔

20۔ ابن قتیبہ ---- کتاب المعارف۔

21۔ ابن قتیبہ الشیعی ---- الامامہ والسیاسہ۔

22۔ ابو جعفر الطوسی ---- تلخیص الشافی۔

23۔ ابو جعفر محمد ---- کتاب المجر۔

24- ابو حنیفہ الدینوری- الاخبار الطوال-
25- ابوالفرج الاصفہانی ---- مقاتل الطالبین-
26- ابو مخنف ---- مقتل ابی مخنف (میر الحسین الی العراق)،
النجف الاشرف، المطبعہ الحیدریہ، 1375ھ-
27- البخاری، الامام محمد بن اسماعیل ---- الجامع الصحیح مع شرح القسطلانی،
دہلی اصح المطابع-
28- البلاذری ---- انساب الاشراف، طبع یروشلم-
29- البلاذری ---- فتوح البلدان-
30- جمال الدین عنبہ ---- عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، لکھنؤ، مطبع جعفری-
31- الجیلانی، الشیخ عبدالقادر ---- غنیہ الطالبین-
32- حاجی خلیفہ ---- کشف الظنون عن آسامی الکتب والفنون، طبع القسطنطنیہ،
1380ھ-
33- الخضری ---- اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء، طبع مصر-
34- الخطیب التبریزی ---- مشکاۃ المصابیح-
35- الخمینی، سید روح اللہ- الحکومہ الاسلامیہ، الحرکہ الاسلامیہ فی ایران-
36- الخمینی، سید روح اللہ- مختارات من اقوال الامام الخمینی،
المترجم: محمد جواد المہری، وزارۃ الارشاد الاسلامی، طہران-
37- الذہبی ---- تاریخ الاسلام-
38- الذہبی ---- میزان الاعتدال فی نقد الرجال-
39- الزبیری، مصعب ---- کتاب نسب قریش-
40- الزرکلی، خیرالدین ---- الاعلام-
41- شبلی النعمانی ---- رسالہ الانتقاد-
42- الطبرسی، فضل بن حسن ---- اعلام الوری باعلام الہدیٰ، 1338ھ-
43- علی القاری ---- شرح الفقہ الاکبر، دہلی، طبع مجتبائی-
44- علی متقی البرہانفوری ---- کنزالعمال فی سنن الاقوال والاعمال، طبع الہند-

45۔ علی نقی التقوی ---- السبطان فی موقفیھما، لاہور، اظہار سنز لمیٹڈ۔

46۔ مجلسی، ملا باقر ---- بحار الانوار، 1355ھ۔

47۔ مرتضیٰ، سید شریف ---- تنزیہ الانبیاء، 1350ھ۔

48۔ مسلم، الامام ---- الجامع الصحیح (صحیح مسلم)۔

49۔ مفید، شیخ ---- کتاب الارشاد، 1364ھ۔

50۔ نیسابوری، شیخ محمد فتال۔ روضۃ الواعظین، 1385ھ۔

فہرست المراجع (فارسی)

51۔ خمینی، سید روح اللہ ---- کشف اسرار، تہران، 15 ربیع الثانی 1363ھ۔

52۔ شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی۔ تفہیمات الہیہ۔

53۔ شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی۔ وصیت نامہ، کانپور، مطبع مسیحی باہتمام محمد مسیح الزماں، 1273ھ۔

54۔ شریعتی، دکتر علی ---- تشیع علوی و تشیع صفوی، مطبوعہ دفتر تدوین و تنظیم مجموعہ آثار دکتر علی شریعتی۔

55۔ شریعتی، دکتر علی ---- فاطمہ فاطمہ است، تہران، سازمان انتشارات حسینیہ ارشاد، چاپ دوم، تیرماہ 1356ھ۔

56۔ شریعتی، دکتر علی ---- قاسطین، مارقین، ناکثین، تہران، انتشارات قلم، آبانماہ 1358، چاپ دوم۔

57۔ کاشانی، میرزا محمد تقی سپہر ---- ناسخ التواریخ، طبع تہران۔

58۔ قزوینی، ملا خلیل ---- صافی شرح اصول کافی، طبع لکھنؤ۔

59۔ قمی، شیخ عباس ---- منتہی الامال، طبع ایران۔

60۔ لنکرانی، آیت اللہ فاضل۔ تقیہ مداراتی، زمینہ ساز وحدت، طبع قم۔

61۔ مجلسی، ملا باقر ---- جلاء العیون۔

62۔ مجلسی، ملا باقر ---- حق الیقین۔

63۔ مجلسی' ملا باقر---- حیات القلوب۔

فہرست المراجع (اردو)

64۔ آزاد' مولانا ابوالکلام ---- مسئلہ خلافت' لاہور' داتا پبلشرز' 1978ء۔

65۔ امیر علی' جسٹس سید ---- سپرٹ آف اسلام اردو ترجمہ بعنوان "روح اسلام"۔
از محمد ھادی حسین' دھلی' اسلامک بک سنٹر۔

66۔ بندیالوی' علامہ محمد عطاء اللہ ---- واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر' سرگودھا' المکتبۃ الحسینیہ' بار سوم' مئی 1995ء۔

67۔ تبریزی' خطیب ---- اکمال فی اسماء الرجال (اردو ترجمہ) مطبوعہ مع مشکوۃ المصابیح' لاہور' مکتبہ رحمانیہ۔

68۔ تھانوی' مولانا محمد اشرف علی ---- امداد الفتاوی' جلد 5۔

69۔ خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران ملتان' اتحاد و یکجہتی امام خمینی کی نظر میں۔

70۔ زاہد علی' ڈاکٹر ---- تاریخ فاطمین مصر۔

71۔ سنبھلی' مولانا محمد عتیق الرحمٰن ---- انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت' ایک سفر خیال کی سرگزشت' حاجی عارفین اکیڈمی کراچی۔

72۔ سنبھلی' مولانا محمد عتیق الرحمٰن ---- واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر' ملتان' میسون پبلیکیشنز۔

73۔ سیالوی' علامہ محمد قمرالدین ---- مذھب شیعہ' لاہور' اردو پریس' 1377ھ۔

74۔ صدیقی مولانا نعیم ---- محسن انسانیت' لاہور' اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ' اشاعت چہارم' جولائی 1972ء۔

75۔ ضیاء الحق' قاری محمد یزید۔ اکابر علماء اہل سنت دیوبند کی نظر میں' کراچی' مکتبہ اہل سنت و جماعت' جولائی 1993ء۔

76۔ عباسی' علامہ سید محمود احمد ---- خلافت معاویہ و یزید کراچی' جون 1962ء۔

77۔ عباسی' علامہ سید محمود احمد ---- تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید' کراچی'

جون 1961ء انجمن پریس۔

78۔ غلام احمد، قاری ---- انوار قمریہ، لاہور، اپریل 1991ء۔

79۔ فاروقی، پیرزادہ اقبال احمد۔ صحابہ کرام مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے آئینے میں، لاہور مکتبہ نبویہ، 1991ء۔

80۔ فاروقی، مولانا عبدالعلی ---- تاریخ کی مظلوم شخصیتیں، طبع ہند۔

81۔ الفاروقی، محمد النعمانی ---- مکہ سے کربلا تک، حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، کراچی، مرکز تحقیق حزب اسلام 1993ء۔

82۔ فیض احمد (بایماء پیر سید غلام معین الدین گیلانی) مقالات مرضیہ المعروف بہ ملفوظات مہریہ، لاہور، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، جولائی 1974ء۔

83۔ گنگوہی مولانا رشید احمد ---- فتاوی رشیدیہ۔

84۔ مجلس تحفظ ناموس صحابہ و اہل بیت پاکستان۔ مسلم معاشرے پر شیعیت کے مخفی اثرات۔

85۔ مطہری، سید مرتضی ---- (نهضت ہای اسلامی در صد سالہ اخیر) بیسویں صدی کی اسلامی تحریکیں، اردو ترجمہ از ڈاکٹر ناصر حسین نقوی، راولپنڈی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، نومبر 1980ء۔

86۔ مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ ---- خلافت و ملوکیت، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، اپریل 1980ء۔

87۔ موسوی، ڈاکٹر موسیٰ ---- (الشیعہ والتصحیح) اصلاح شیعہ، اردو ترجمہ از ابو مسعود آل امام، مطبوعہ پاکستان، فروری 1990ء۔

88۔ ندوی، مولانا سید سلیمان ---- سیرۃ النبی، طبع ہند۔

89۔ ندوی، مولانا محمد اسحاق صدیقی۔ اموی خلافت کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ، ماخوذ از کتاب "اظہار حقیقت" جلد سوم، ناشر مولانا عبدالرحمٰن، کراچی اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن، رمضان 1414ھ)۔

90۔ ندوی، شاہ معین الدین احمد ---- تاریخ اسلام، لاہور، ناشران قرآن لیمیٹڈ۔

91۔ نعمانی، مولانا محمد منظور۔ ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت، لاہور، مکتبہ مدنیہ۔

92۔ نعمانی، مولانا محمد منظور۔ خمینی اور شیعہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ، حصہ اول و دوئم، طبع لاہور۔
93۔ نقوی، سید شاکر حسین امروہوی---- مجاہد اعظم، طبع ہند۔
94۔ نقوی، مولانا سید علی نقی---- شہید انسانیت۔

95۔ ماہنامہ "تجلی" دیوبند (مدیر مولانا عامر عثمانی) شمارہ جون و جولائی 1961ء۔
96۔ ماہنامہ "تدبر" لاہور (مدیر۔ خالد مسعود) اگست 1992ء۔
97۔ مجلہ "فجر" شمارہ 18، ربیع الاول 1405ھ، اسلام آباد، رائیزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران۔
98۔ ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ (مدیر مولانا محمد منظور نعمانی) شمارہ اگست 1992ء۔
99۔ مجلہ "وحدت اسلامی" راولپنڈی اسلام آباد، شمارہ 11، جلد 1، محرم 1404ھ، یکے از مطبوعات سفارت جمہوری اسلامی ایران در پاکستان۔
100۔ ہفت روزہ "الھلال" کلکتہ، (مدیر مولانا ابوالکلام آزاد) 12 اگست 1927ء)۔
101۔ روزنامہ "جنگ" لاہور، مورخہ 8 جون 1995ء / 9 محرم 1416ھ۔

فہرست المراجع (انگریزی)

102– Byzantine Empire
103– Continuatica Byzantina Arabica
104– Encyclpedia Britanica, Vol. 5, 11th Edition
105– Encyclopdeia of Islam (Leyden)